کوہ مری کے گریجوایٹ صاحب کے خط کا جواب

کوہ مری سے ایک گریجوایٹ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں چند سوالات لکھ کر بھیجے جن کے حسب ذیل جواب حضور نے لکھوائے ؂

(خاکسار محمد اسمٰعیل (مولوی فاضل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؂ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے جو سوالات تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:۔

سلسلہ احمدیہ کی غرض | سوال (۱) کیا سلسلہ احمدیہ کی وجہ ماموریت اشاعت اسلام ہے؟

جواب۔ سلسلہ احمدیہ کی غرض مسلمان کہلانے والوں کو مسلمان بنانا ہے۔ چونکہ ہر مسلم کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اشاعت اسلام کرے۔ اس لئے ہر احمدی کا فرض اشاعت اسلام بھی ہو جائیگا ؂

اشاعت اسلام اور اسلام کے بنیادی اصول | سوال (۲) کیا اشاعت اسلام کے اندر ان تمام اصول کی اشاعت نہیں آتی۔ جو اسلام کے بنیادی اصول کہلاتے ہیں۔

جواب۔ اشاعت اسلام کے اندر ان تمام اصول کی اشاعت آجاتی ہے۔ جو اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ مگر ان اصول کی اشاعت اس میں نہیں آتی۔ جو اصول اسلام کہلاتے ہیں جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے ؂

اسلام کے بنیادی اصول | سوال (۳) کیا توحید و رسالت کے علاوہ اسلام کے کوئی اور اصول بھی ہیں۔

جواب۔ اسلام کے بنیادی اصول دو قسم کے ہیں۔ ایک عقاید کے متعلق دوسرے اعمال کے متعلق ؂

عقائد کے متعلق یہ اصول ہیں۔ خدا کو ایک ماننا۔ اس کے تمام نبیوں پر ایمان لانا۔ قضاء و قدر پر ایمان لانا۔ ملائکہ پر ایمان لانا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ان تمام وحیوں پر ایمان لانا جو اس کے انبیاء پر نازل ہوتی ہیں۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔

اعمال میں سے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اوامر کے بنیادی اصول ہیں۔ اور قتل نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا نواہی کے۔

اور اگر شرک کو اعمال میں داخل کیا جاوے۔ تو اس صورت میں شرک بھی اعمال منہیہ میں داخل ہوگا۔

حریّت اور مساوات سوال (۴) کیا حریّت اور مساوات کے زرین اصول اسلام کے بنیادی اصول نہیں ہیں۔ اور کیا یہ ہر دو اصول اشاعت اسلام کے زمرہ میں داخل ہیں یا نہیں؟

جواب۔ حریّت اور مساوات اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے نہیں ہیں۔ خود یہ الفاظ ایسے مبہم ہیں۔ کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے۔ اس لئے حریّت اور مساوات کی جب تک تعریف نہ کیجائے۔ اسوقت تک نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے۔ یا نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں انکی کیا تعریف ہے۔

ہو سکتا ہے۔ کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونوں امور کا خیال رکھنا ایک مسلم کیلئے ضروری ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو۔

شریعت میں مساوات کی تو کوئی اصطلاح ہی نہیں حر کی ایک اصطلاح ہے۔ جس کے معنی قرآن اور حدیث کی رُو سے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جو شخص ان افعال میں جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں حکومت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے مختار ہو۔ وہ اپنے مال کا خود مالک ہو۔ افراد رعایا میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ اس کے کمائے ہوئے مال پر بلا اسکی

اجازت یا بلا اس سے خرید و فروخت کے قبضہ کرلے ؎

اسلام میں حریت و مساوات سوال (۵) کیا اسلام حریّت و مساوات کا علم بردار ہونے کا مدعی ہے یا نہیں ؟

اس سوال کا جواب ۔ چوتھے سوال کے نیچے آجاتا ہے ؎

نبی کریم صلعم کے خلفاء کا مشن سوال (۶) کیا نبی کریم صلعم کے خلفاء علیہم السّلام کا یہ مشن نہیں ۔ کہ وہ دنیا میں حریّت و مساوات کو قائم کرانے کے لئے ہر طرح کی ممکن جدوجہد کریں ؎

جواب ۔ اگر حریّت و مساوات کی کوئی ایسی تعریف ہے ۔ جو اسلام کے احکام کے نیچے آجاتی ہے ۔ اور جو کسی اور اسلامی حکم کے مخالف نہیں پڑتی ۔ تو پھر اس کی تلقین کرنا خلفاء اسلام کا فرض ہے ۔ مگر یہ بھی ان کا فرض ہے ۔ کہ جو بڑے کام ہوں ۔ انکی طرف زیادہ توجہ کریں ۔ اور جو چھوٹے ہوں ۔ ان کی طرف کم ؎

امامِ وقت کا فرض سوال (۷) کیا امام وقت کا یہ فرض نہیں ۔ کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی قوموں کو ظالموں کی دست برد سے بچانے کے لئے آئینی طور پر جدوجہد کرے ۔ اور آزادی اور شہری حقوق دلانے میں کوشاں ہو ؎

جواب ۔ امام وقت کا یہ فرض ہے ۔ کہ دنیا کی چھوٹی اور بڑی ۔ زبردست اور کمزور تمام قوموں کو نہ کہ صرف چھوٹی قوم کو ہی ظالموں کی دست برد سے بچانے کے لئے بہترین ذرائع کو استعمال میں لاوے ۔ اور بہترین ذریعہ یہی ہے ۔ کہ انہیں سچے مذہب کی طرف بلائے ۔ اس کے بعد نہ ظالم ظلم پر رہ سکتا ہے ۔ نہ مظلوم مظلوم رہ سکتا ہے ؎

یوروپین حکومتیں اور چھوٹی قومیں سوال (۸) کیا آج یورپ کی دو ایک ظالم وجابر حکومتیں استبدادانہ طور پر چھوٹی چھوٹی آزاد قوموں کی آزادی نہیں چھین رہی ہیں کیا وہ ملک گیری کی ہوس میں ان کو بالکل نگل نہیں چکی ہیں ؎

جواب ۔ بے شک یورپ کی بعض طاقتوں نے دوسرے ممالک پر قبضہ کیا ہوا ہے

مگر کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہمارے آباء مسلمان کہلانے والے ہندوستان میں کس طرح آئے تھے۔ اگر ان کا ہندوستان پر قبضہ کر لینا جائز تھا۔ تو آج انگریزوں کا اس پر قبضہ کیوں ناجائز ہو گیا۔ کیا ہندو خود انہیں بلانے گئے تھے۔ پس کسی غیر ملک پر مجرد قبضہ کر لینا بُرا نہیں کہلا سکتا۔ اسے بُرا قرار دینے کے لئے کچھ شرائط لگانی پڑینگی۔ جب تک وہ شرائط مجھے معلوم نہ ہوں۔ میں پورا جواب نہیں دے سکتا *

عیسائی حکومتوں کا منشاء سوال (۹) کیا ان عیسائی حکومتوں کا منشاء حقیقی یہ نہیں ہے۔ کہ مسلمان حکومتوں کو تباہ کر کے ان کی جگہ عیسائی حکومتیں قائم کر لی جاویں *

جواب۔ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مگر موجودہ عیسائی حکومتیں کسی کو زبردستی عیسائی نہیں بناتیں۔ اور اگر آپ کا یہ منشاء ہے۔ کہ مسلمان حکومتوں کی جگہ ایسی حکومتیں قائم ہو رہی ہیں۔ جو عیسائی ہیں۔ گو وہ دوسروں کو عیسائی نہ بناویں۔ تو یہ بات تو ظاہر ہی ہے۔ اس کے پوچھنے کی کوئی وجہ مجھے معلوم نہیں ہوتی *

خلیفہ وقت کی غیرت کا تقاضا سوال (۱۰) کیا آپ کا دعویٰ امام وقت ہونیکا نہیں ہے۔ اگر ہے۔ تو کیا آپ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے۔ کہ آپ یہ سب مظالم اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھیں۔ اور ٹس سے مس نہ ہوں *

جواب۔ بے شک میرا دعویٰ خلیفہ وقت ہونے کے لحاظ سے امام وقت ہونے کا بھی ہے۔ اور فی الواقع میری غیرت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی۔ کہ میں ان سب مظالم کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھوں۔ جو لوگ کر رہے ہیں۔ اور ان کے مٹانے کی کوشش نہ کروں۔ مگر میں صرف انہیں مظالم کو ناپسند نہیں کرتا۔ جو عیسائی ہندوؤں یا مسلمانوں پر کریں۔ بلکہ ان مظالم کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ جو ہندو مسلمانوں پر یا مسلمان ہندوؤں پر یا دونو عیسائیوں پر کریں یا خود مسلمان ایسے افعال کا ارتکاب جو موجب فساد ہوں اپنے بھائیوں پر کریں *

اشاعت اسلام کیا ہے سوال (۱۱) کیا اشاعت اسلام صرف اسی کا نام ہے

کہ ایک سال میں دو چار مسلمان بنا لئے۔ کیا اشاعت اسلام صرف Theoretical ہے Practical نہیں؟

جواب۔ اشاعت اسلام صرف اسی کا نام نہیں۔ کہ سال میں دو چار مسلمان بنائے جائیں۔ بلکہ اس کا نام بھی نہیں۔ کہ دو چار چھوڑ ایک کو ہی مسلمان بنایا جاوے۔ بلکہ اشاعت اسلام نام ہے۔ اپنے عقائد کو دوسروں تک پہنچا دینے کا خواہ ایک آدمی بھی انہیں نہ مانے ؛

منوانا یا نہ منوانا اس کا کام ہے۔ جو قلوب پر تصرف رکھتا ہے۔ اور ماننا یا نہ ماننا اسکا کام ہے۔ جس کے سامنے ہم بات پیش کرتے ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے۔ اور ہمارے آقا و رہنما آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی صرف اتنا ہی کام تھا۔ کہ حق بات لوگوں تک بطریق احسن پہنچا دیں لوگوں کو منوانا ہمارا کام نہیں ؛

اگر ہم حق لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہماری بات کو سن کر لاکھوں آدمی اسے قبول کرتے ہیں۔ یا ایک بھی اسے قبول نہیں کرتا۔ تو اس کا ہم پر نہ کوئی الزام آتا ہے۔ نہ تعریف ہوتی ہے ؛

Practical اور Theoretical جو الفاظ آپ نے استعمال کئے ہیں اگر ان سے آپ کی یہ مراد ہے۔ کہ اسلام صرف عقائد کا نام ہے۔ یا اعمال بھی اس کے اندر شامل ہیں تب تو اسلام Practical مذہب ہے۔ اور نہ یہ کہ وہ عمل میں آسکتا ہے۔ بلکہ عمل کے بغیر اس کی حقیقت ہی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کی مراد ہے۔ کہ وہ اپنے عقائد کو جبریہ بھی منواتا ہے۔ یا نہیں۔ تو تب بے شک اسلام Practical مذہب نہیں ؛

ہندوستان میں انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوستانی

سوال (۱۲) کیا آپ کے خیال میں ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم ہے ؛

جواب۔ میرے نزدیک ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو انگریزوں انگریزوں کے درمیان بھی مساوات قائم نہیں۔ اور نہ ہی ہندوستانیوں ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم ہے۔ آپکا کھانا پکانے والے آپکے کپڑے دھونے والے۔ آپ کا مکان صاف کرنیوالے ہیں اور آپ میں فرق ہے۔ پھر کونسی حکومت دنیا میں گذری ہے۔ جس نے غیر لوگوں کو مساوات دی ہو۔ اکبر یا جہانگیر کے زمانہ کے ایک دو مدبّروں یا ایک دو جرنیلوں کی مثال دیکر کیا آپ مساوات ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ بھی تو بتائیں۔ کہ اسوقت مسلمان ہندوستان میں کتنے تھے۔ اور ہندو کتنے۔ چند لاکھ مسلمانوں اور اسی کروڑ ہندوؤں میں سے بڑے عہدوں پر کتنے ہندو اور کتنے مسلمان مقرر تھے۔ یقیناً وہ نسبت نہیں تھی جو آپ کونسلوں میں انگریزوں اور ہندوستانیوں میں ہے ہم بھی ہندوستان کے لئے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر ہمارے مطالبہ کی بنیاد ہی اور اصول پر ہے۔

انگریزوں کا سلوک ہندوستانیوں سے

سوال (۱۳) کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے۔ کہ انگریز لوگ جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ ہندوستانیوں کے ساتھ کسقدر بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اور انپر کسقدر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور ان بیچاروں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا؟ کیا ہر روز ریل گاڑیوں میں۔ بازاروں میں سٹیشن کے پلیٹ فارم پر۔ گویا ہر جگہ اور ہر وقت معزز ہندوستانیوں کی تذلیل۔ حکومت کے نشہ میں سرشار۔ لیکن کم حیثیت انگریز لوگ نہیں کرتے۔

جواب۔ انگریز جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ ان میں سے بعض بے شک ہندوستانیوں سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ جس طرح بعض ہندوستانی بعض ہندوستانیوں سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ جس طرح ظالم ہندوستانیوں کے ظلم دُور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ظالم انگریزوں کے ظلم کے دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

آپ کا یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ کم حیثیت انگریز معزز ہندوستانیوں کی

تذلیل کرتے ہیں۔ آپ تو مساوات کے قائل تھے۔ یہ کم حیثیت اور معزز کہاں سے آگئے؟

انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کی حالت عدالتوں میں

سوال (۱۴) کیا عدالتوں میں ہندوستانیوں کی انگریزوں کے مقابلہ میں کبھی شنوائی ہوتی ہے؟

جواب۔ سارے مقدمات کی مثلیں تو میرے پاس نہیں۔ مگر بالعموم ہندوستان کو فوجداری معاملات میں اپنے حقوق نہیں ملتے۔ اور اس معاملہ کے متعلق اب تک کوئی معقول عذر نہیں پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں بہت سا حصّہ خود ہندوستانی مجسٹریٹوں کا ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ انگریزوں کے چلے جانے پر میجرٹی جس قوم کی ہوگی۔ کیا اس کے مقابلے میں ہمیں حقوق مل جائینگے۔ اگر اس بات کی تسلی ہو جاوے۔ تو پھر یہ دلیل کچھ وقعت رکھ سکتی ہے۔

جلیانوالہ باغ کا واقعہ

سوال (۱۵) کیا جلیانوالہ باغ کا واقعۂ فاجعہ اور ایسے ہی کئی ایک اور واقعات مساوات کا ثبوت دیتے ہیں؟

جواب۔ جلیانوالہ کا واقعہ بے شک نہایت ہی ظالمانہ واقعہ ہے۔ میرے نزدیک جنرل ڈائر کا فعل قریبًا اتنا ہی انسانیّت سے بعید ہے۔ جتنا کہ کٹار پور اور بہار کے قاتلوں کا۔ لیکن اگر کٹار پور اور بہار میں مسلمان عورتوں اور بچّوں کو زندہ جلا دینے والے لوگوں کو ہم مُعاف کر سکتے تو جنرل ڈائر کو کیوں نہیں مُعاف کر سکتے۔ مساوات کے طریق کو یہاں پر کیوں نہ مدنظر رکھا جاوے۔

ناگوار واقعات سے گورنمنٹ کو متنبہ کرنا

سوال (۱۶) کیا آپ کا نہ صرف بحیثیت ایک شہری ہونے کے بلکہ امام اولی الامر ہونے کی حیثیت سے یہ فرض نہیں ہے کہ آپ ان روزمرہ کے ناگوار واقعات کے اہم نتائج سے حکومت کو متنبہ کریں۔ اور اگر حکومت نہ مانے تو عملی صورت میں اس کے خلاف آئینی طریق پر غم و غصہ کا اظہار کریں؟

جواب۔ بحیثیت ایک شہری ہونے کے اور امام ہونے کے میرا فرض ہے۔ کہ میں لوگوں کو ظلموں کی خرابی سے متنبہ کروں۔ مگر میرا یہ کام نہیں۔ کہ ہر ایک واقعہ جو دنیا میں ہو اس کے متعلق تحقیقات کروں۔ کہ آیا وہ ظالمانہ تھا۔ یا منصفانہ۔ یہ کام کوئی انسان نہیں

کر سکتا۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے ؎

انگریزوں کی غلطیاں ہم ان سے چھپاتے نہیں۔ بلکہ ان پر ظاہر کرتے رہتے ہیں ہم آئینی طور پر ہر ایک ظلم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ظلم اخلاق کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ہم اخلاق کی درستی کی کوشش کرتے ہیں ؎

سوال (۱۷) کیا ایک ظالم و جابر حکومت کو اس کے تشدد آمیز افعال سے آگاہ کرنا اور اس کے دل میں اس کا احساس پیدا کرانا آپ کا فرض منصبی نہیں ہے؟

اس کا جواب نمبر ۱۶ میں آچکا ہے ؎

فرائض کی ادائگی سوال (۱۸) اگر یہ سب آپ کے فرائض ہیں۔ تو بتائیے۔ کہ آپ نے ابتک ان فرائض کی ادائگی کیوں نہیں کی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ آپ لوگ حکومت سے ڈرتے اور اپنے اصلی مشن کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ شاید آپکی طرف سے یہ کہا جاوے۔ کہ ہم نے خطوط کے ذریعہ حکومت کو آنیوالے واقعات سے آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا حکومت نے آپ کے مشورہ پر عمل بھی کیا؟

اگر نہیں۔ تو کیا اس کے دل میں احساس پیدا کرانے کے لئے آپ نے کوئی عملی تدابیر بھی اختیار کیں۔ جناب عالی یاد رکھیئے۔ کہ سال بھر میں دو ایک کا مسلمان بنا لینا ہی صرف اشاعت اسلام نہیں ہے۔ بلکہ حق و صداقت کیلئے آئینی جنگ کرنا اصل اشاعت اسلام ہے۔ محض گورنمنٹ کو خوش کرنا اپنے کو سرکار کا وفادار ظاہر کرنا۔ دوسروں پر غیر وفاداری کے اتہام لگانا۔ ہوم رول کی طرف سے استغنا ظاہر کرنا۔ لیکن کونسلوں میں ایک نشست حاصل کرنے کے لئے جاؤ بیجا منت سماجت کرنا یہ تمام باتیں مسیح موعودؑ کی جماعت کے شایاں نہیں ہیں ؎

جواب۔ مَیں اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔ ان کی ادائیگی کی حتی الوسع کوشش کرتا ہوں۔ مَیں صرف خدا سے ڈرتا ہوں یا اس سے جس سے ڈرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ حکومت کے اندر احساس پیدا کرنے کے لئے میں وہی کوشش کرتا ہوں۔ جو خدا کے

نبی اور ان کے خلفاء ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں ؂

کونسل کی نشست کی نہ مَیں نے کبھی خواہش کی ہے۔ نہ مجھے فرصت ہے
کہ مَیں کونسل میں جا کر بیٹھوں۔ آپ کونسل کی نشست کا ذکر کرتے ہیں۔ مَیں تو برطانیہ
کی ساری حکومت چھوڑ دنیا کی ساری حکومتوں کو بھی اس درجہ کے مقابل میں جو خدا نے
مجھے دیا ہے۔ ادنیٰ اور بے حقیقت خیال کرتا ہوں ؂

آپ کے غصہ سے میں بُرا نہیں مناتا۔ کیونکہ آپ مجبور ہیں۔ چونکہ آج ۲۸ تاریخ سے
پہلے آپ کا جواب دینے کی مجھے فرصت نہیں ملی۔ اور آپ کا پتہ ۱۸ تاریخ کے بعد بدل گیا ہے
اسلیئے میں اس خط کو اخبار کے ذریعہ شایع کرتا ہوں جب آپ تک پہنچے اور پھر آپکو اور سوالات کرنے ہوں تو بخوشی سوال کر سکتے ہیں

نوٹ:۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا یہ خط جب اخبار الفضل میں شائع ہوا تو اسکا
خواجہ محمد عبداللہ صاحب اختر بی۔ اے نے ایک مضمون اخبار وکیل امرتسر میں
اسکے جواب میں شائع کیا۔ اس مضمون کے جواب میں جو حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے
مضمون لکھکر الفضل میں شائع کروایا وہ درج ذیل ہے ؂ (ایڈیٹر)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

اسلام اور حریت و مساوات

(از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

کچھ دن ہوئے کہ ایک گریجوایٹ صاحب نے مری سے میرے نام کچھ سوالات لکھ کر بھیجے

تھے جن کا جواب مَیں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل قادیان کو جو ان دنوں صیغۂ ڈاک کے انچارج ہیں لکھوایا تھا۔ یہ جواب گیارہ نومبر کے الفضل میں شائع کرا دیا گیا تھا۔ کیونکہ خط بھیجنے والے جسوقت جواب شائع کیا گیا ہے۔ مری میں نہ تھے۔ اور ان کا اسوقت کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اور یہ بھی غرض تھی کہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اُٹھالیں اس مضمون کے شائع ہونے پر امرتسر کے روزانہ اخبار وکیل میں خواجہ عباد اللہ صاحب اختر نے ایک سلسلہ مضامین شائع کرایا ہے۔ جس میں بعض ان باتوں کو رد کیا گیا ہے جو ان کے خیال میں مَیں نے لکھی تھیں۔ چونکہ حُریّت و مساوات کا سوال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور لوگوں کی طبائع اسکی طرف مائل ہیں۔ اسلئے مَیں چاہتا ہوں کہ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے کے مضمون کے متعلق کچھ تحریر کروں تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے جو حق طلبی کی عادت رکھتے ہیں۔ رہنمائی کا کام دے۔ اور میرے نقطۂ نگاہ سے بھی لوگ آگاہ ہو جائیں۔

اصل مضمون پر غور کئے بغیر جواب دیا گیا۔

مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خواجہ صاحب موصوف نے میرے خط پر غور کئے بغیر اس کا جواب دینا شروع کر دیا ہے۔ اگر وہ اسے غور سے پڑھتے۔ تو انکو معلوم ہو جاتا کہ اسمیں حُریّت و مساوات کو اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ الفاظ مبہم ہیں انکی مختلف تشریحات ہو سکتی ہیں۔ جن میں سے بعض تشریحات کے موجب ان کا مفہوم اسلامی احکام میں شامل ہوگا۔ اور بعض کے مطابق اسلامی احکام کے رُو سے جائز ہوگا اور بعض کے رُو سے منع ہوگا۔ اور پھر انکو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ اس مضمون میں مَیں نے اصول کے لفظ کو خاص معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اور وہ وہی معنی ہیں کہ جو قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریحات اور ائمہ اسلام کے استعمال سے ثابت ہوتے ہیں۔

سائل سے حُریّت و مساوات کی تشریح چاہی گئی تھی۔

چونکہ خواجہ صاحب نے میرے مضمون پر غور نہیں کیا۔ اسلئے ایک تو انہوں نے یہ دھوکا کھایا ہے کہ گویا میں ہر ایک صورت میں

حُریّت اور مساوات کو ناجائز سمجھتا ہوں یا اس کا قائم کرنا ناجائز سمجھتا ہوں حالانکہ میرے خط کا جو حصّہ انہوں نے خود نقل کیا ہے۔ اسی سے اپر ثابت ہو سکتا تھا کہ یہ وہم ان کا غلط ہے وہ میرے خط کا یہ حصّہ اپنے مضمون میں نقل کرتے ہیں: ”حُریّت و مساوات اسلام کے بنیادی اُصول میں سے نہیں ہیں۔ خود یہ الفاظ ایسے مبہم ہیں کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے۔ اس لئے حُریّت اور مساوات کی جب تک تعریف نہ کیجائے اسوقت تک نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے یا نہیں مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں انکی کیا تعریف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونو امور (حُریّت و مساوات) کا خیال رکھنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو“ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس عبارت کی موجودگی میں جسے انہوں نے خود نقل کیا ہے۔ وہ یہ نتیجہ کس طرح نکال سکتے تھے کہ میں نے حُریّت و مساوات کو اسلامی احکام میں شامل نہیں کیا۔ ان الفاظ سے تو صاف ثابت ہے کہ میں سائل کو قائل کرنے کے لئے اور اس کی غلطی پر اسے آگاہ کرنے کیلئے پہلے اس سے حُریّت و مساوات کی تشریح کرانی چاہتا ہوں تاکہ جب وہ خود تشریح کردے۔ تو اس کی تصدیق کرنی یا اسکی غلطی نکالنی آسان ہو جائے۔ اور میں نے خود لکھ دیا ہے کہ ان الفاظ کی کئی تشریحیں ہو سکتی ہیں۔ بعض کے لحاظ سے ان الفاظ کا مفہوم اسلامی اوامر میں شامل ہو جائیگا۔ بعض کے لحاظ سے صرف جائز رہیگا۔ اور بعض کے لحاظ سے منع ہو جائیگا۔ اگر وہ میرے مضمون پر غور کرتے۔ تو بجائے اس کا جواب لکھنے کے پہلے حُریّت اور مساوات کی تشریح کرتے۔ پھر مجھ سے دریافت کرتے کہ یہ تشریح ان الفاظ کی اسلامی احکام میں شامل ہے یا اسلام کے رُو سے جائز ہے۔ یا منع ہے۔ اور پھر میرے جواب پر جو چاہتے لکھتے۔ میں تو سائل سے ان الفاظ کی تشریح چاہتا ہوں۔ اور خواجہ صاحب پہلے جواب لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کاش! وہ جواب لکھنے کی طرف توجہ کرنے سے پہلے میرے خط کو سمجھنے کی تکلیف گوارا کرتے ٭

اصول کا لفظ ارکان اسلام کے معنوں میں استعمال کیا گیا

دوسری ٹھوکر جلد بازی کے سبب سے خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر نے یہ کھائی ہے کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ میں نے اصول اسلام کے الفاظ کن معنوں میں استعمال کیئے ہیں۔ جیسا کہ میری تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ الفاظ میں نے ارکان اسلام کے معنوں میں استعمال کیئے۔ لیکن خواجہ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ انہیں احکام کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ احکام تو اسلام کے سینکڑوں ہیں۔ مگر صرف چند ہی ارکان کا پتہ قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جن عقائد کو خدا تعالیٰ نے ایمان میں شامل کیا ہے۔ اور ان کا انکار کفر قرار دیا ہے۔ وہ ارکان ایمان ہیں۔ اور قرآن کریم سے ایسی باتیں پانچ ہی ثابت ہوتی ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ دوم ملائکہ پر۔ سوم نبیوں پر۔ چہارم کتب سماوی پر۔ پنجم۔ بعث مابعد الموت پر۔ چونکہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانیکے اندر ہی اسکی صفات کے ظہور پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے ایمان بالقدر کو بھی ارکان ایمان میں شامل کیا ہے۔ اور یہ ان کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہے ؛

قرآن کریم سے ارکان اسلام کا ثبوت

قرآن کریم سے ارکان اسلام مختلف آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ آیت ہے۔ ومن یکفر باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلٰلاً بعیدا۔ یعنی جو شخص کفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا اور ملائکہ کا اور اس کی کتب کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخر کا وہ دُور کی گمراہی میں مُبتلا ہو گیا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ ان الذین یکفرون باللہ و رسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا اولٰئک ھم الکافرون حقاً واعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔ یعنی وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولوں کا۔ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانینگے۔ بعض کو نہیں مانینگے۔ اور چاہتے ہیں کہ اسکے درمیان کوئی راستہ

تلاش کریں۔ یہ لوگ سچے کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے رسوا کرنیوالا عذاب مقرر کیا ہے"۔ پس قرآن کریم کے رُو سے عقاید کے اصول جنمیں سے کسی ایک کے چھوٹنے پر بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یہی پانچ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ملائکہ پر ایمان لانا۔ کتب پر ایمان لانا۔ رسولوں پر ایمان لانا اور یوم الآخر پر ایمان لانا۔ قضاء و قدر پر ایمان جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانے میں شامل ہے۔ کیونکہ بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق اس کی قدر کے ہی ذریعہ ہے۔ اگر قضاء و قدر جاری نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا۔ اور اس پر ایمان لانے میں کوئی فائدہ یا روحانی ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان بالقدر کو بھی ایمانیات کے اندر شامل کیا ہے۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بھی ارکان ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ حضرت جبرئیل آئے۔ اور آپؐ سے سوال کیا کہ "ما الایمان" ایمان کیا ہے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ الایمان ان تؤمن باللہ وملٰئکتہ وبلقائہ وبرسلہ وتؤمن بالبعث۔ یعنی ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسکے فرشتوں پر اور اس کے لقاء پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور یہ کہ تو ایمان لائے مرنے کے بعد اُٹھنے پر اور اصیلی کی روایت میں برسلہ کے بعد کتبہ بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی کتب پر ایمان لائے۔ مگر میرے نزدیک اس لفظ کے بغیر بھی کتابوں پر ایمان کا ذکر اس حدیث میں آجاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں لقاء کا لفظ ہے۔ جس کے معنی شراح نے خدا تعالیٰ کی ملاقات کے کئے ہیں۔ اور یہ معنی ہیں بھی ٹھیک۔ مگر انہوں نے اس سے مراد مرنے کے بعد کی ملاقات لی ہے۔ حالانکہ یہ بات بعث پر ایمان لانے کے اندر آگئی ہے۔ لقاء سے مراد کتب ہی ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی ملاقات کا ذریعہ ہیں۔ بندہ اپنے رب سے اسکے کلام کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے۔ اس کے متعلق ایک لطیف استدلال صاحب بصیرت کے لئے جو دوسروں کی خوشہ چینی پر کفایت نہ کرتا ہو۔ آیتہ کریمہ ولقد اٰتینا موسی الکتٰب

فلا تکن فی مریۃ من لقائہ سے بھی ہو سکتا ہے ؎

وہ اعمال جن کا اسلام نے حکم دیا ہے

دوسری قسم ہے اعمال کی ان میں سے ایک تو فعلیہ ہیں۔ یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے۔ اور ایک ترکیہ ہیں یعنی جن کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فعلیہ اصول میں نے اپنے خط میں نماز زکوٰۃ حج اور روزہ بتائے تھے۔ اور یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے۔ اسمیں میرا کوئی دخل نہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بنی الاسلام علے خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ بخاری کتاب الایمان۔ یعنی اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسکے رسول ہیں۔ اور نماز ادا کرنی اور زکوٰۃ دینی اور رمضان کے روزے رکھنے ؎

اسی حدیث میں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کے سوال پر کہ اسلام کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرك به وتقیم الصلوٰۃ وتودی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان۔ یعنی اسلام یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نماز کو قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے۔ اور رمضان کے روزے رکھے۔ بخاری میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن دوسرے بعض راویوں نے حج کا بھی ذکر کیا ہے ؎

اسی طرح طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خمس صلوٰۃ فی الیوم واللیلۃ فقال ھل علی غیرھا قال لا الا ان تطوّع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیام رمضان قال ھل علے غیرہ۔ قال لا الا ان تطوّع قال وذکر لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الزکوٰۃ۔ قال ھل علیّ غیرھا قال لا الا ان تطوّع قال فادبر الرجل وھو یقول واللہ لا ازیدُ علے ھذا ولا

انقص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلح ان صدق - یعنی اسلام کے اصول پانچ نمازیں ہیں - دن اور رات میں اس نے پوچھا کہ کیا ان کے سوا مجھ پر کچھ اور بھی فرض ہے - آپ نے فرمایا نہیں - ہاں اگر شوق سے زیادہ نماز پڑھو تو اور بات ہے پھر آپ نے فرمایا اور رمضان کے روزے - اسپر اس نے دریافت کیا کہ ان کے سوا مجھ پر اور روزے بھی ہیں - آپ نے فرمایا کہ نہیں - ہاں تم اپنی خواہش سے زیادہ رکھو تو رکھ سکتے ہو - پھر آپ نے اس کے سامنے زکوٰۃ کا مسئلہ بیان فرمایا - اس نے پوچھا کہ کیا مجھ پر اس سے زیادہ کچھ اور بھی فرض ہے - آپ نے فرمایا کہ نہیں - ہاں اگر تم اپنی خواہش سے زیادہ دو تو یہ اور بات ہے - اسپر وہ شخص واپس چلا گیا - اور چلتے ہوئے کہتا گیا کہ خدا کی قسم میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ کم - رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے اپنی بات پوری کردی - تو کامیاب ہو گیا - اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں - لیکن چونکہ دوسری احادیث میں ارکان اعمال میں حج کو شامل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرما کر کہ عرب تو حج کو خود ہی ضروری خیال کرتے ہیں - صرف وہ احکام بیان فرما دیئے جو اسلام میں نئے نازل ہوئے تھے ؁

غرض عبادت فعلیہ کے یہ چار ارکان ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور شراح احادیث اس شخص کے سوال کے متعلق کہ اسلام کیا ہے لکھتے ہیں کہ اس کا سوال ان ارکان اسلام کے متعلق تھا جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں - پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور علماء اسلام کی تشریح کے مطابق اعمال فعلیہ کے یہی چار ارکان ہیں - اور یہی چاروں میں نے اپنے جواب میں بیان کئے ہیں ؁

عبادت ترکیہ کے اصولی احکام

عبادت ترکیہ یعنی ان احکام میں سے جنکے نہ کرنیکا شریعت نے حکم دیا ہے - میں نے چار اصل بیان کئے ہیں - قتل نہ کرنا - چوری نہ کرنا زنا نہ کرنا - خیانت نہ کرنا یہ چار اصل بطور استدلال میں نے قرآن کریم ہی سے لئے ہیں -

کیونکہ قرآن کریم میں قتل کے جرم کی سزا قتل بیان کی گئی ہے۔ اور زنا کی سزا کوڑے۔ اور بعض صورتوں میں مطابق فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رجم۔ اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا۔ اور ڈاکہ یا چوری کی حد میں آجاتا ہے یا قتل کے دائرہ میں۔ اسلیئے اسکو میں نے الگ نہیں بیان کیا تھا۔ چوتھا جرم جس کے لئے سزا مقرر ہے۔ قذف اور افتریٰ ہے جسے مَیں نے وسعت کے خیال سے خیانت سے تعبیر کیا تھا۔ پس یہی چار احکام ہیں جو عبادت تزکیہ کے اصل ہیں۔ باقی جس قدر احکام ہیں۔ ان کی سزا یا تو غیر معین ہے۔ اور سیاست پر چھوڑدی گئی ہے یا ان کا معاملہ قیامت پر رکھا گیا ہے۔ ان کے سوا باقی تمام عقائد یا اوامر یا نواہی انہی کے فروع ہیں یا انکے اندر وہی اصل مخفی ہے۔ جو ان عقائد و اوامر و نواہی میں ہے۔ یہ چاروں نواہی یکجائی طور پر عورتوں کی بیعت کے الفاظ میں جمع کردیئے گئے ہیں۔ چنانچہ سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئًا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین بھتانٍ یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروف فبایعھن واستغفر لھن۔

اصول اور احکام میں فرق نہیں کیا گیا۔

کوئی عقل مند یہ خیال نہیں کرسکتا کہ میرا یہ مطلب تھا کہ ان احکام کے سوا اسلام میں اور کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ میرا مطلب جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی تھا۔ کہ اصول اسلام یہی ہیں۔ گو انکے سوا احکام سینکڑوں ہیں۔ چنانچہ سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کا یہ فرض نہیں کہ وہ دنیا کی چھوٹی حکومتوں کو ظلم سے بچائیں۔ مَیں نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ اگر حُریّت و مساوات کی کوئی ایسی تعریف ہے جو احکام اسلام کے نیچے آجاتی ہے اور کسی اور اسلامی حکم کے مخالف نہیں پڑتی۔ تو اسکی تلقین کرنا خلفاء اسلام کا فرض ہے۔ اس جواب سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مَیں نے اصول اور احکام میں فرق کیا ہے کیونکہ ایک طرف تو مَیں نے حُریّت و مساوات کو اصول اسلام سے خارج

کیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ لکھا ہے کہ اگر اس کی کوئی ایسی تعریف کیجائے۔ جو احکام اسلام کے مطابق ہو۔ تو پھر اس کی تلقین فرض ہو جائیگی۔ خواجہ صاحب نے اسی فرق کو نہ سمجھتے ہوئے میرے مضمون کا جواب لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اور حُریّت و مساوات کو احکام اسلام میں سے ثابت کرنیکی کوشش کر کے یہ فرض کر لیا ہے۔ کہ انہوں نے میرے مضمون کا جواب دیدیا ہے۔ حالانکہ نہ مَیں نے یہ لکھا تھا کہ حُریّت و مساوات کی تمام تعریفات کے رُو سے وہ احکام اسلام میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ مَیں نے یہ لکھا تھا۔ کہ اصل اور حکم ایک ہی شئے ہے۔ کاش وہ ذرّہ بھر بھی تدبّر سے کام لیتے اور میرے مضمون پر غور کرتے اور یا سائل کو خود آگے آ کر اپنے مطلب کو بیان کرنے دیتے۔ یا خود حُریّت و مساوات کی تعریف کر کے اسکے متعلق مجھ سے سوال کرتے کہ یہ تعریف احکام اسلام میں شامل ہے یا نہیں۔ اگر اس تعریف کو مَیں احکام اسلام میں شامل نہ قرار دیتا۔ اور اگر ان کی تسلّی میرے جواب سے نہ ہوتی۔ تو وہ اس کا جواب لکھتے :۔

خواجہ صاحب کے نزدیک حُریّت و مساوات کو کیوں اصول اسلام سے خارج کیا گیا

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں یہ بات ظاہر کرنیکی بھی کوشش کی ہے کہ مجھے دھوکا کس طرح لگ گیا۔ اور کس طرح مَیں نے حُریّت و مساوات کو اسلام کے بنیادی اصول میں سے خارج کر دیا اور بعض آیات ایسی نقل کی ہیں جنمیں بعض گروہوں کے غیر مساوی ہونیکا ذکر ہے۔ اور نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید ان آیتوں سے مجھے دھوکا لگ گیا۔ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں۔ خواجہ صاحب کا منشاء یہ نہیں ہے کہ وہ میرے مضمون کو کسیقدر معقولیت کا جامہ پہناویں۔ بلکہ ان کا اصل منشاء یہ بات ظاہر کرنا ہے کہ وہ ان دلائل سے بھی خوب واقف ہیں۔ جو مَیں اپنے مدعا کے ثبوت کیلئے پیش کرونگا۔ حالانکہ انکو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں دلائل دینا میرے ذمہ نہیں بلکہ سائل کے ذمہ ہے کہ وہ پہلے اپنے سوال کا مطلب بیان کرے۔ جب تک وہ اپنے مطلب کو واضح نہ کرے۔ اسوقت تک اسکے سوال کا جواب دینا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ بلکہ اگر وہ سوال کو واضح کریگا۔ تو اسکے سوال کا جواب خود اسکی اپنی تشریح میں ہی آجاویگا یا اسپر اپنی غلطی کُھل جاویگی :۔

الزامی جواب کی اقسام اس تمہید کے بعد میں خواجہ صاحب کے مضمون کے مختلف حصّوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔ خواجہ صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ میں نے سائل کو الزامی جواب دیئے ہیں۔ اور یہ کمزوری ہے ؛

اس میں کوئی شک نہیں کہ الزامی جواب سے بالعموم اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ صرف سائل خاموش ہوجاتا ہے۔ اور اسی لئے الزامی جواب کو اصولی جواب کے مدّمقابل قرار دیکر اسے کمزور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ کلام کی حقیقت اور اسکے معارف سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ الزامی جواب کئی اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض دلیل کے لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں بعض مضبوط ہوتے ہیں اور بعض ایسے مضبوط ہوتے ہیں کہ اصولی جواب بھی اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتا ؛

کونسا الزامی جواب کمزور ہوتا ہے وہ الزامی جواب جو کمزور ہوتا ہے۔ اسکی یہ شرط ہے کہ اسکے ذریعہ سے کسی عیب کو چھپانے کی کوشش کیجائے۔ یعنی جسپر اعتراض کیا جائے وہ اس بات کو محسوس کرتا ہو۔ کہ اسکی جس بات پر اعتراض کیا گیا ہے وہ واقعہ میں ایک عیب اور کمزوری ہے۔ اور اسپر پردہ ڈالنے کے لئے معترض کے کسی عیب کی طرف اشارہ کردے۔ مثلاً دو شخص جو ملکر تجارت کر رہے ہوں۔ ان میں سے ایک دوسرے کو خیانت کرتے ہوئے دیکھے۔ اور اسے کہے کہ کیوں صاحب یہ کام بھی جائز ہے۔ تو آگے سے وہ شخص معترض کی کسی خیانت کی طرف جس سے وہ آگاہ تھا۔ اشارہ کرکے کہدے کہ ہاں جس طرح وہ جائز تھی یہ بھی جائز ہے۔ یہ الزامی جواب کہلائیگا۔ اور کمزور ہوگا۔ کیونکہ اس جواب سے جواب دینے والے کی بریّت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص جس نے اعتراض کیا تھا خود اسی قسم کے مرض میں مبتلا ہے۔ اور اس جواب سے مجیب کی غرض صرف معترض کو خاموش کرنا ہے ؛

قسم دوم کے الزامی جواب دوسری قسم کا الزامی جواب یہ ہوتا ہے۔ کہ جس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ مجیب کے مذہب میں پائی ہی نہیں جاتی یا اسکے نزدیک جائز ہی نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ وہ بات عقلاً اور اخلاقاً بالکل درست ہوتی ہے۔ اور اسپر اعتراض ہی نہیں پڑ سکتا۔ یا یہ کہ جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ اعتراض ہی نہیں ہوتا۔ لیکن مجیب وقت بچانیکے لئے کسی ایسی ملتی جلتی لیکن

نادرست اور ناواجب بات کی طرف جو معترض یا معترض کے مذہب یا عقیدہ میں پائی جاتی ہے اشارہ کردینا ہے۔ اور اس سے اسکی غرض یہ ہوتی ہے کہ سائل کو خاموش کردے۔ مثلاً اگر کوئی آریہ اسلام پر اعتراض کردے۔ کہ اسلام میں متعہ کی اجازت ہے اور اسپر کوئی سنی المذہب اسکے جواب میں کہدے کہ ہاں یہ مسئلہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آریہ مت میں نیوگ کا مسئلہ۔ تو اس سے اسکی غرض معترض کو خاموش کرنا ہوگی۔ اور وہ صرف اس تاریخی بحث میں پڑنے سے بچنے کی کوشش کریگا کہ متعہ اسلامی مسئلہ ہے بھی کہ نہیں۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اسلام میں اسوقت متعہ جائز ہے نہ کبھی پہلے جائز ہوا۔ جب تک اسلام کا حکم اس مسئلہ کے متعلق نازل ہوا تھا۔ اسوقت تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم عرب کی رسوم کے مطابق اس فعل کی اجازت دیتے رہتے تھے۔ کیونکہ آپکی عادت مبارک میں یہ بات داخل تھی۔ کہ آپ الٰہی حکم کے نزول تک لوگوں کی رسوم و عادات میں دخل دینا پسند نہ فرماتے تھے۔ اور الٰہی کلام کا ادب رکھتے تھے ؀

یا مثلاً کوئی آریہ صاحب اسلام کے مسئلہ کثرت ازدواج پر اعتراض کردیں اور کوئی مسلمان نیوگ کا حوالہ دیکر انکو خاموش کردے۔ تو یہ بھی الزامی جواب ہوگا۔ لیکن اسمیں پہلے جواب سے یہ فرق ہوگا۔ کہ پہلا جواب تو ایک ایسے اعتراض سے بچنے کیلئے تھا جس کا مورد اسلام میں موجود ہی نہ تھا۔ اور یہ جواب ایک ایسی بات پر سے اعتراض ہٹانے کیلئے ہے۔ جو فی الواقعہ اسلام میں موجود ہے اور صرف وقت کو بچانیکے لئے یا معترض پر یہ بات روشن کرنیکے لئے ہے کہ اس کا اعتراض نیک نیتی پر مبنی نہیں۔ کیونکہ باوجود ایک ایسی بات پر یقین رکھنے کے جسمیں شناعت کا پہلو موجود ہی وہ ایک ایسی بات پر اعتراض کرتا ہے جسمیں کوئی شناعت کا پہلو موجود ہی نہیں ؀

یا مثلاً یہ کہ کوئی مسیحی اسلام پر اعتراض کرے کہ اسلام کی ترقی کا باعث جنت کا عقیدہ ہے لوگوں کو لالچ دلاکر اسلام میں داخل کرلیا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی مسلمان یہ جواب دیدے۔ کہ ہاں جس طرح ادنیٰ اقوام کو مسیحی روپیہ پیسہ دیکر اور قسم قسم کی لالچیں دیکر مسیحی بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی کیا ہے۔ یہ جواب بھی اسی قسم کے الزامی جوابوں میں شامل ہوگا۔ جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔ مگر پہلے دو جوابوں میں اور اس جواب میں یہ فرق ہوگا کہ پہلا الزامی جواب تو ایک ایسے اعتراض کے

متعلق تھا۔ جس کا مورد اسلام میں موجود ہی نہ تھا۔ اور دوسرا الزامی جواب ایک ایسے اعتراض کے متعلق ہے۔ جس کا مورد تو موجود تھا۔ لیکن اسپر وہ اعتراض نہ پڑتا تھا۔ جو دشمن نے کیا۔ اور یہ آخری مثال اس امر کی ہے کہ جو اعتراض کیا گیا تھا وہ اعتراض ہی نہیں ہے۔ اس قسم کی تحریک کرنی کہ اس مذہب کو قبول کر کے تم سکھ پاؤ گے۔ لالچ نہیں ہے بلکہ مذہب کی ضرورت کا اظہار ہے اور اس دعویٰ کے بغیر کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا ؛

قرآن کریم سے دوسری قسم کے الزامی جواب کی مثال

یہ دوسری قسم الزامی جواب کی گو پہلی قسم کی نسبت مضبوط ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں یہ کمزوری ہے کہ اس سے دشمن کی کمزوری اور اس کا تعصب تو ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس امر کی نسبت لوگوں کا علم وسیع نہیں ہوتا۔ جسپر اعتراض کیا گیا تھا۔ کیونکہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس امر کی طرف اشارہ کر کے معترض کو خاموش کیا گیا ہے۔ وہ امر اور قسم کا ہے اور جسپر اعتراض کیا گیا ہے وہ اور قسم کا ہے۔ اور ان کے دل میں یہ تڑپ باقی رہتی ہے۔ کہ اسکی خوبیوں پر بھی اطلاع ملے۔ بلکہ معترض کے دل میں بھی یہی خواہش باقی رہتی ہے۔ گو وہ اس جواب کے ڈر سے دوبارہ اعتراض اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ قسم جواب کی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب اس کے ساتھ اصولی جواب بھی دیدیا جائے ؛

چنانچہ قرآن کریم میں اس قسم کے الزامی جوابوں کی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ فرماتا ہے :۔

الذین قالوا ان اللہ عھد الینا الا نؤمن لرسول حتّٰی یأتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسلٌ من قبلی بالبیّنٰت وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین۔

یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہوا ہے کہ ہم صرف اس رسول کو مانیں جو سوختنی قربانی کا حکم دے۔ ان سے کہدو کہ مجھ سے پہلے بہت رسول تمہاری طرف آئے ہیں۔ جن کے پاس دلائل بھی تھے۔ اور وہ حکم بھی وہ دیتے تھے۔ جسکی طرف تم اشارہ کرتے ہو۔ پھر کیا اگر تم سچے ہو۔ تو تم نے انکو مان لیا تھا۔ اور انکا مقابلہ نہیں کیا تھا۔

اسجگہ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ سوختنی قربانی کا حکم ضروری ہے یا نہیں۔ صرف انکو اس جواب سے خاموش کر دیا ہے کہ تمہارا حق نہیں کہ یہ اعتراض کرو۔ کیونکہ تم ان رسولوں کا مقابلہ

بھی کرتے رہے ہو۔ جو سوختنی قربانی کا بھی حکم دیتے تھے۔ مگر چونکہ قرآن کریم ہر ایک پہلو کو
مکمّل کرتا ہے۔ اگلی آیات میں جا کر یہ بھی جواب دیدیا کہ یہ دعویٰ باطل ہے کہ تم کو کوئی ایسا
حکم تھا تم تو تورات پر افتراء کرتے ہو اور تمہاری یہ عادت ہے۔ چنانچہ آگے چلکر فرمایا:۔
واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب لتبیّننّہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ
وراء ظھورھم۔ اللہ تعالیٰ نے تو اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ یہ مسائل تورات کو چھپائیں گے
نہیں۔ لیکن یہ اس عہد کے پابند نہیں رہے۔ یعنی اب یہ لوگوں کو غلط مسائل بتانے لگے
ہیں۔ جن میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ اسوقت تک کسی رسول کو نہیں ماننا چاہیئے
جب تک وہ سوختنی قربانی کا حکم نہ دے ؎

قسم سوم کے الزامی جواب

ان دونو قسموں کے سوا ایک تیسری قسم الزامی جواب
کی ہوتی ہے جو لحاظ دلیل کے ایسی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ جیسے کہ اصولی جواب۔ کیونکہ
گو وہ بظاہر الزامی جواب نظر آتی ہے۔ لیکن اس کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ اصولی
جواب کی طرف سائل کی توجہ کو پھیرا جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کبھی
معترض کو سمجھانے کے لئے اسکے اعتراض کے جواب میں اسی کے عقیدہ اور خیال کی
ایک ایسی بات اسکو یاد دلائی جاتی ہے۔ جو بعینہٖ اسی قسم کی ہوتی ہے۔ جسپر اس شخص
نے اعتراض کیا ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح یہ بات قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ جسپر اعتراض
کیا گیا ہے۔ وہ بھی قابل اعتراض نہیں ہوتی ؎

قرآن کریم سے تیسری قسم کے الزامی جواب کی مثال

اس قسم کے الزامی جواب قرآن کریم میں بھی دیئے گئے ہیں چنانچہ
اللہ تعالیٰ کفار کا اعتراض سورہ انبیاء میں نقل فرماتا ہے کہ
ھل ھذا الا بشر مثلکم نہیں ہے یہ شخص مگر تمہارے جیسا ایک آدمی۔ اور اس کا جواب
آگے چلکر یہ دیتا ہے کہ وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر
ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی ہم نے تجھ سے پہلے بھی آدمی ہی بھیجے تھے۔ جن کی طرف
ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم کو نہ معلوم ہو تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو۔ اس میں بھی الزامی

جواب ہی دیا ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور کسی کی نہ سہی حضرت ابراہیم کی نبوت کے اور آپ کے خدا رسیدہ ہونے کے تو ضرور قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ بجائے یہ ثابت کرنیکے کہ نبی کے لئے بشر ہونا ضرور ہے۔ صرف یہ حوالہ دیتا ہے کہ پہلے نبی جن کو مانتے ہو۔ وہ بھی تو ایسے ہی تھے ‡

قسم سوم کے الزامی جواب کا فائدہ

اس قسم کے الزامی جواب سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ معترض جس بات کو تسلیم کرتا ہے۔ اسکے خلاف اسے تعصب نہیں ہوتا۔ اور اسکی تائید میں اسکے پاس دلائل ہوتے ہیں۔ پس بجائے اسکے کہ اس بات کی تائید میں جس پر اس نے اعتراض کیا ہوتا ہے۔ دلائل دیئے جاویں یہ زیادہ سہل طریق ہوتا ہے۔ کہ اس کی تسلیم کردہ باتوں میں سے کوئی اسکے سامنے پیش کردی جائے تاکہ اسکی تائید میں جو دلائل اسکے پاس ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے وہ اس بات کی صداقت کو بھی سمجھ لے۔ جس پر وہ اعتراض کرتا ہے۔ پس گو بظاہر یہ جواب الزامی ہوتا ہے لیکن در اصل حقیقی جواب ہوتا ہے۔ اسمیں اور حقیقی جواب میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ حقیقی جواب میں دلائل مجیب کو دینے پڑتے ہیں۔ اور اس قسم کے الزامی جواب میں خود معترض کے ہی منہ سے اپنے دعویٰ کی تائید میں دلائل دلوائے جاتے ہیں۔ ایسا الزامی جواب بجائے کمزور ہونیکے عام طور پر حقیقی کہلانے والے جواب سے زیادہ سہل اور مفید ہوتا ہے۔ اور مضبوطی میں بھی اس سے کم نہیں ہوتا۔ اور خصوصاً اس صورت میں اور بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ اعتراض صرف ایک ہی جماعت کی طرف سے وارد ہوتا ہو۔ کیونکہ جو اعتراض مختلف پہلو رکھتا ہو۔ اور متعدد جماعتوں کی طرف سے پڑ سکتا ہو۔ وہ حقیقی جواب کے بغیر مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتا کیونکہ الزامی جواب صرف اس نقطۂ خیال پر روشنی ڈالیگا۔ جو سائل یا اسکے ہم خیالوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری جماعتوں کے نقطہ خیال کے مطابق جو اسپر اعتراض ہوتا ہے وہ دور نہ ہو سکیگا۔ لیکن اگر اعتراض ایک ہی جماعت کی طرف سے ہو سکتا ہو۔ تو پھر مندرجہ بالا قسم کا الزامی جواب حقیقی جواب سے بھی زیادہ مفید ہوگا۔ کیونکہ اسمیں حقیقی جواب کی طرح

رشتی بھی ہوگی۔ اور الزامی جواب کی طرح قوّت اور شدت بھی ہوگی ؏

سائل کو تیسری قسم کے جواب دیئے گئے تھے

اس تفصیل کے بعد میں خواجہ صاحب کو توجہ دلاتا ہوں کہ میرے جوابات گو الزامی تھے۔ مگر اسی تیسری قسم کے تھے۔ مثلاً جلیانوالہ باغ سے متعلق جو اعتراض ہوا ہے۔ اس کا جو جواب میں نے دیا ہے۔ اور جسکی طرف خواجہ صاحب نے اشارہ بھی کیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ کیونکہ اس میں میں نے سائل کے ہم خیال لوگوں کے ایک مستحسن فعل کی طرف اشارہ کرکے بتایا ہے۔ کہ جس طرح انہوں نے فساد کو دور کرنیکے لئے کرتار پور اور بہار کے وحشی اور انسانیت سے عاری قاتلوں کو معاف کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر بادشاہ معظّم کے اعلان کے جواب میں ہم لوگوں نے بھی جلیانوالے واقعہ کو بھلا دیا ہے تو کونسی قباحت آگئی۔ یہاں دونو فعل مستحسن ہیں۔ اور ایک ہی قسم کے ہیں۔ سائل ایک کام کرتا ہے اور دوسرا اسے بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اسکو یہ امر سمجھانے کیلئے کہ دوسرا کام بھی مستحسن ہے۔ اسکے اپنے فعل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ دلائل جن کے باعث اس نے پہلا کام کیا ہے اُسے یاد آجائینگے۔ اور اس کا اعتراض دوسرے کام پر سے خودبخود اُٹھ جائیگا اور اس جواب سے ہر ایک جو اسکا ہم خیال ہوگا۔ وہ بھی تسلّی پالیگا۔ اور بجائے اسکے کہ ہم اسکو اپنے فعل کے دلائل دیں۔ خود اسکا ذہن اسکے سامنے حقیقی دلائل پیش کر دیگا۔ پس اس الزامی جواب میں اور حقیقی جواب میں یہی فرق ہے۔ کہ اس جواب کے ذریعہ سے خود معترض کے مُنہ سے اپنے فعل کے مستحسن ہونیکا اقرار کرانے کی کوشش کیگئی ہے۔ اور بجائے دلائل کو کاغذ پر لاکر انکے سامنے پیش کرنیکے خود اسی کے دماغ میں ایسی حرکت پیدا کر دی گئی ہے کہ خود ہی دلائل اس کے سامنے آجاویں ؏

اسلامی اخوّت کا مطلب

خواجہ صاحب نے جوابوں کی نسبت الزامی ہونیکا الزام قائم کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ اسلام نے اخوّت قائم کی ہے۔ اسلئے جو مساوات اخوّت میں ہوتی ہے وہی بنی نوع انسان میں قائم ہونی چاہیئے۔ اگر خواجہ صاحب کا یہ منشاء ہے کہ اسلام کے رو سے تمام بنی نوع انسان اپنی پیدائش میں ایک دوسرے سے مشابہت

رکھتے ہیں۔ یا یہ اُنکو ایک دوسرے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے تو یہ سچّی بات ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ لیکن اگر خواجہ صاحب کا اس سے زیادہ کچھ اور مطلب ہے تو وہ اس آیت سے نہیں نکلتا۔ کیونکہ باوجود اس تعلیم کے اسلام نے حقیقی بھائیوں اور دوسرے لوگوں میں فرق کیا ہے۔ پس جب تک اس آیت کو ان آیات و احکام کے ماتحت نہ لایا جائیگا جنسے اس مسئلہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس آیت کو عام کرکے کامل مساوات کا ثبوت نکالنا غلط ہے۔

اسلام میں مرد و عورت کے حقوق

اس سے آگے خواجہ صاحب نے عورت اور مرد کی عدم مساوات کا سوال اُٹھایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہی ایک فرق ہے۔ جسے عدم مساوات کے حق میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اسلام نے اس فرق کو بھی مٹا دیا ہے۔ اور عورت اور مرد کے حقوق کو مساوی قرار دیا ہے لیکن یہ دعویٰ خواجہ صاحب کا بالکل خلاف احکام اسلام ہے۔ اسلام نے ہر رنگ میں عورت اور مرد کے حقوق کو مساوی نہیں رکھا۔ بلکہ احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ احکام ہیں جو مرد و عورت کی انسانیت کو مدنظر رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔ اسمیں دونو کو مساوات دی گئی ہے اور دونو فریق کے لئے ایک قسم کے حکم ہیں مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ دونو احکام میں مرد و عورت شامل ہیں اور دونو کو یکساں ثواب ملنے کا وعدہ ہے یہ نہیں کہ عورت صرف مرد کا کھلونا ہو۔ بلکہ اسے اس مقصد عالی کے حصول کے لئے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح مکلف کیا گیا ہے جس طرح مرد کو۔ مگر وہ احکام جو انتظام اور سیاست کے متعلق ہیں۔ ان میں مرد اور عورت میں امتیاز کیا گیا ہے۔ اور مرد کو عورت پر فضیلت دیگئی ہے۔ اور اگر اس تقسیم کو اسلام قائم نہ کرتا تو اسلام دین فطرت ہوہی نہ سکتا تھا۔ یہ فرق صرف اسلام نے ہی قائم کیا ہے۔ اور کسی مذہب نے قائم نہیں کیا۔ اور یہ ایک فضیلت ہی جو اسلام کو دوسرے مذاہب پر حاصل ہے۔ ایک طرف تو وہ مساوات قائم کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ کہ کوئی انتظام بلا اسکے نہیں چل سکتا کہ مختلف شرکاء میں سے ایک کی آواز کو سب کی آواز پر مقدم کیا جائے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مردوں کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورتوں کے اوپر نگران ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ بما فضل اللہ

بعضھم علےٰ بعض و بما انفقوا من اموالھم یعنی اسلئے انکو نگران مقرر کیا گیا ہی کہ انسانی خلقت مرد کو نگرانی کا حق دیتی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مرد کو ایسے قویٰ ملے ہیں جن کی وجہ سے وہ اشتراک خاندانی میں اس امر کا مستحق ہے کہ اس کی آواز انتظام میں آخری آواز ہو۔ اور بوجہ اسکے کہ مرد کے ذمہ مال کو خرچ کرنا ہے۔ اور یہ ایک تسلیم شدہ اصل ہے کہ مال کا خرچ کرنا جس کے ذمہ ہو اسکی آواز کو زیادہ وزن دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس شخص کے لئے نقصان کے احتمال زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر مرد جسمانی طور پر بھی گھر کے کام کاج میں کچھ نہ کچھ حصہ لیتا ہی پس چونکہ مرد پر ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے اسکے حقوق بھی زیادہ رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ۔ یعنی عورتوں کو بھی مردوں پر ویسے ہی ضروری حقوق حاصل ہیں۔ جیسے مردوں کو اور مردوں کو انپر ایک فضیلت ہے۔ اس میں اسی اصل کو بیان کیا گیا ہے۔ جو میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ایک پہلو سے مساوات قائم کی گئی ہے۔ اور دوسرے پہلو سے مرد کو حاکم بھی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کے متعلق یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اگر وہ نشوز کرے اور کسی طرح اسکی اصلاح نہ ہو۔ تو اسکو مارو۔ بیشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ نشوز کی حالت میں ہی ایسا اختیار دیا گیا ہے۔ اسکے بغیر تو نہیں دیا گیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر مرد نشوز کرے تو کیا قرآن و حدیث نے عورت کو بھی حق دیا ہے۔ کہ وہ بھی مرد کو مارے ۔

پھر مرد کی جسمانی قوتوں کی زیادتی اور اس کے صاحب نفوذ ہونے کے سبب ہی سے مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنیکی اجازت دی ہے۔ نکاح کے معاملہ میں بھی مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ خود پسند کرکے نکاح کرے۔ لیکن عورت کیلئے یہ شرط رکھی ہے کہ اس کی رضامندی کے ساتھ اسکے والد یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی رضامندی بھی ضرور لی جائے۔ اور اسی کی معرفت نکاح ہو۔ عورت کے لئے نفلی روزہ تک رکھنے کے لئے خاوند سے اجازت لینے کا حکم دیا۔ لیکن مرد کیلئے گو یہ ہدایت کی کہ وہ اسقدر روزہ نہ رکھے کہ عورت کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو جائے۔ لیکن روزہ رکھنے کے لئے عورت کی اجازت شرط نہیں رکھی ۔

مرد و عورت میں ہر رنگ میں مساوات نہیں۔

غرض اس قسم کے بہت سے احکام ہیں جنہیں عورت کو مرد کی رائے کے تابع کیا گیا ہے۔ مگر یہ وہ ہی ہیں جو انتظامی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ احکام جو افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں دونو کو برابر رکھا ہے۔ دونو کیلئے یکساں احکام اور نواہی ہیں۔ دونو کو یکساں اپنے اموال کا مالک مقرر کیا ہے۔ دونو کو یکساں اپنی جان کے متعلق اختیار دیئے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ہر رنگ میں مرد و عورت میں مساوات ہے، غلط ہے بعض لحاظ سے مساوات ہے اور بعض لحاظ سے نہیں۔ اور مساوات کو وہیں ہٹایا گیا ہے کہ جہاں مساوات کا ہٹانا کام کے بخوبی چلانے اور امن کے قیام کے لئے ضروری تھا۔ اور ایسے موقعہ پر مرد کو عورت کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مگر حکم مرد ہی کے سپرد کیا گیا ہے ؛

شاید اسجگہ یہ کہا جائے کہ ہماری بھی حُرّیت و مساوات سے یہی مراد تھی۔ مگر میں کہونگا کہ میں نے بھی تو مراد دریافت کرنے کیلئے ہی سوال کیا تھا۔ پہلے مراد بیان کرنی تھی۔ اور پھر میرا خیال معلوم کر کے مضمون لکھنے بیٹھنا تھا ؛

کیا وراثت میں مرد و عورت کے مساوی حقوق ہیں

خواجہ صاحب نے عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک عجیب نکتہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ عورت اور مرد کے حقوق وراثت میں بھی مساوی ہیں کیونکہ اگر عورت اپنے باپ کے مال میں سے آدھا حصّہ لیتی ہے تو اپنے خاوند کی بھی وارث ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کلید دیکھ کر آیات لکھنے کے عادی ہیں۔ اور جس طرز سے انہوں نے اپنے مضمون میں آیات لکھی ہیں۔ ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کے مطالب کے سمجھنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر عورت اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے تو خاوند بھی اپنی عورت کا وارث ہوتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ جسقدر حصّہ عورت کو خاوند کے ترکہ سے ملتا ہے اس سے دُگنا مرد کو اپنی بیوی کے ترکہ سے ملتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ مرد عورت سے ہمیشہ پہلے ہی مرے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکم نصف ما ترک ازواجکم

ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔ جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔ اسمیں سے نصف تمہارا حصّہ ہے۔ اگر ان کی اولاد نہو۔ اور اگر ان کی اولاد ہو تو چوتھا حصّہ تمہارا ہے وصیت کے حصّہ یا قرض کے وضع کرنیکے بعد۔ اسی طرح عورتوں کیلئے تمہارے مال میں سے چوتھا حصّہ ہے۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو اور آٹھواں اگر اولاد ہو۔ یہ حصّہ بھی تمہاری وصیّت یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اسمیں سے ہوگا ؎

خواجہ صاحب اس آیت کو دیکھیں اور سوچیں کہ ان کی دلیل وراثت کے مساوی ہونیکی کہاں گئی۔ اگر عورت خاوند کے مال کی وارث ہوتی ہے۔ تو خاوند بھی عورت کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی اس کا حصّہ دُگنا ہوتا ہے۔ پس بہر حال مرد کا حصّہ عورت کے حصّہ سے دُگنا رہیگا۔ بلکہ دُگنے سے بھی بعض صورتوں میں بڑھ جائیگا ؎

ورثہ میں مرد و عورت کے حقوق مساوی نہونے میں حکمت

یہ فرق جو مرد اور عورت کے حصہ میں شریعت نے رکھا ہے۔ اسکی وجہ اور ہے۔ اور یہ عدم مساوات ظالمانہ طور پر نہیں بلکہ ثابت شدہ حقائق کے ماتحت ہے ؎

عورتوں اور مردوں میں مساوات ثابت کرنیکی کوشش کرنیکے بعد خواجہ صاحب نے اور کئی قسم کی مساوات احکام قرآنیہ سے ثابت کرنی چاہی ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نے مذہب میں مساوات قائم کی ہے (۱) سب انسانوں کو اسلام کی دعوت دی ہے (۲) نسلی مساوات قائم کی ہے کہ عربی و عجمی اور بڑی چھوٹی ذاتوں کا فرق مٹا دیا ہے (۳) مال میں مساوات قائم کی ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے پاس ضرورت سے زیادہ مال نہیں رکھ سکتا ؎

ہر امر میں مساوات نہ ہونیکا اعتراض

مَیں نہیں سمجھتا کہ ان دعاوی کے ثابت کرنے یا ثابت کرنیکی کوشش کرنے میں خواجہ صاحب کا کیا مقصد تھا جس خط پر انہوں نے یہ

سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا ہے۔ انہیں تو یہ سوال اُٹھایا گیا ہے۔ کہ ہر ایک بات میں حُریّت و مساوات نہیں۔ بعض جگہ حُریّت و مساوات بُری ہوتی ہے۔ بعض جگہ جائز۔ اور بعض جگہ ضروری۔ پس ان امور میں اگر حُریّت و مساوات ثابت بھی ہو جائے۔ تو اس کا فائدہ اور نفع؟ اصل مضمون پر کیا روشنی پڑیگی؟ میرے خط کی تردید تو تب ہو سکتی تھی کہ حُریّت و مساوات ہر رنگ میں ضروری ہوں اور یہ آپنے خود تسلیم کیا ہے کہ ہر امر میں حُریّت و مساوات کا اصل قائم نہیں رہ سکتا۔ آپ لکھتے ہیں " اسمیں شک نہیں کہ حکومت کے باعث حکمران قوم کو ایک طرح کی فضیلت محکوم قوم پر حاصل ہوتی ہے لیکن اس فضیلت کا مفہوم ایسی عدم مساوات نہیں ہے۔ جو غلامی کا مترادف ہے" وکیل ۱۴؍ دسمبر ۱۹۲۰ء میں جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہر جگہ حُریّت و مساوات کا اصل نہیں چل سکتا تو پھر اس سلسلہ مضامین کی کیا ضرورت تھی۔ یہی بات تو مَیں نے لکھی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ حُریّت و مساوات کا کوئی مفہوم ایسا ہو کہ وہ احکام اسلام میں شامل ہو جائے اور اس کا خیال رکھنا ضروری ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا خیال رکھنا صرف جائز ہو اور ہو سکتا ہے کہ منع ہو۔ آپ بھی یہی لکھتے ہیں کہ حاکم قوم کو ایک حد تک فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن محکوم قوم کی حالت غلامی تک نہیں پہنچنی چاہیئے۔ یہ کس نے لکھا تھا کہ محکوم قوم کے لئے اسلامی احکام کے مطابق غلام بن کر رہنے کا حکم ہے۔ یہ تو ایک خیال ہے جو خود ہی آپنے پیدا کر لیا۔ اور خود ہی اس کا جواب دینے لگ گئے ہیں۔ میرا تو صرف اسقدر دعویٰ تھا کہ حُریّت و مساوات کا اصل ہر جگہ چسپاں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ اس کی مختلف تعریفیں، اور حد بندیاں کی جا سکتی ہیں۔ جنکے ماتحت اسکی تعریف یا مذمّت کیجا سکتی ہے۔ آپ خود تشریح کرتے ہوئے اسی پھندے میں پھنس گئے۔ اور آپکو تسلیم کرنا پڑا کہ ہر جگہ اس کا استعمال نہیں ہو سکتا ؎

سائل نے کونسی حُریّت و مساوات کے متعلق پُوچھا تھا

خواجہ صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سائل کا منشاء حُریّت و مساوات کے قیام سے اسی حُریّت و مساوات کا قائم کرنا تھا جو حاکم اور محکوم کے درمیان ہو۔ کیونکہ ان کا اشارہ حکومتوں کے تعلّقات کے متعلّق تھا نہ کہ مغل اور سیّد اور راجپوت اور جاٹ کے فرق یا نجابت کے عام ہونے کے متعلق اور اسی امر میں عدم مساوات کے مٹانے کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے مَیں ان سے تشریح چاہتا تھا کہ وہ جب

صفائی سے ان الفاظ کے مفہوم کی تعیین کریں۔ تو انکی طرح ان کو بھی تسلیم کرنا پڑے۔ کہ حریت و مساوات کا مفہوم بھی محدود ہے۔ اور ایک حد تک حریت و مساوات کا خیال کر کے فضیلت اور درجہ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اور اسکے بغیر دنیا کا امن قائم ہی نہیں رہ سکتا ؛

اس اجمالی جواب کے بعد میں ان تینوں قسم کی حریت اور مساوات کے متعلق جو خواجہ صاحب نے قائم کی ہے۔ الگ الگ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں ؛

مذہبی مساوات پہلی مساوات خواجہ صاحب نے مذہب کی بیان کی ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مساوات سب سے بڑی ہے۔ اور سب سے پہلے اسے اسلام ہی نے قائم کیا ہے۔ لیکن اس مساوات کا ذکر کرنے سے خواجہ صاحب کی غرض نہ معلوم کیا ہے۔ جس شخص کے خط کا جواب میں نے دیا ہے اور جس کی وکالت کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو اس مساوات کو نہایت حقارت سے دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے آقا اور رہنما حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اس مسئلہ پر اسقدر زور دیا ہے۔ جو اسکی عظمت کے مطابق تھا۔ اور ہماری جماعت ہی وہ جماعت ہے۔ جو اس مساوات کو عملی طور پر قائم کرنیکے لئے ہمہ تن کوشاں ہے اور ہر گورے اور کالے کو اسلام کی طرف بلا رہی ہے۔ اور اسکی دعوت کر رہی ہے۔ پھر ہمیں یہ مساوات یاد دلانی کیا معنی رکھتی ہے۔ ہم سے زیادہ اس مساوات پر کسے یقین ہے۔ اور کس کے دل میں ہم سے زیادہ اسکی قدر ہے۔ یہ مساوات تو خواجہ صاحب کو ان صاحب کو یاد دلانی چاہیئے تھی جنکی وکالت کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس مساوات کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مجھ پر طعن کرتے ہیں کہ کیا سال بھر میں ایک دو آدمیوں کا اسلام میں شامل کر لینا ہی اشاعت اسلام ہے اور انکے نزدیک اس اسلام کی امتیازی خصوصیت سے فائدہ اٹھانا اور اسلام کا ہر گھر کے دروازہ تک پہنچانا کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ جبتک مسٹر گاندھی کی تقلید میں ہندوستان کا امن برباد کرنے اور بچوں کو مادر پدر آزاد بنانے کی کوشش نہ کی جائے ؛

نسلی امتیاز مٹا کر مساوات قائم کرنا دوسری قسم کی مساوات خواجہ صاحب نے نسلی امتیاز کا مٹانا بتائی ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے اس مساوات کو بھی قائم کیا ہے مگر ساتھ ہی

یہ بھی بات ہے کہ یہ مساوات دوسری عدم مساوات کو باطل نہیں کر سکتی۔ مثلاً اگر ایک خاص قوم اپنے علم یا حکومت کی وجہ سے دوسری پر برتری رکھتی ہے تو اس مساوات کی بناء پر اسکی برتری کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دوسری اقوام پر فضیلت کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور یہ فضیلت انکو اس زمانہ میں اپنی تجربہ کاری اور رسوخ کی وجہ سے کُل عرب کی اقوام پر ضرور حاصل تھی۔ اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔ یعنی جو لوگ جاہلیت میں معزز سمجھے جاتے تھے۔ اب بھی معزز سمجھے جاوینگے۔ اگر دین کے واقف ہو جاویں۔ پس نسلی امتیاز کو گو اسلام نے مٹایا ہے مگر یہ اجازت نہیں دی کہ اس دلیل کی بناء پر کسی قوم کے ایسے امتیازات کو بھی مٹا دیا جائے۔ جو اسے کسی اور وجہ سے حاصل ہو چکے ہوں مثلاً خود قرآن کریم نے نبوّت و کتاب کے فیضان کو آل ابراہیم میں مخصوص کر دیا ہے۔ اور جیسا کہ فرماتا ہے۔ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتب۔ یعنی ہم نے اسکی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کر دی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نسلی امتیاز چونکہ منع ہے۔ اسلئے یہ حکم بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیضان اسلئے حضرت ابراہیمؑ کی نسل کیلئے خاص نہیں کیا گیا کہ وہ کسی خاص قوم میں سے تھے۔ بلکہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نیکی کو دیکھ کر ان کے ساتھ ایک دائمی عہد باندھ دیا تھا جسمیں دوسروں کا کوئی نقصان نہ تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی عزّت افزائی تھی۔ دوسروں کا نقصان اسلئے نہیں کہ ان کیلئے بھی ترقی کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو خصوصیّت حاصل ہے کہ کوئی شخص حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ایک مہر تابان سے روشنی لئے بغیر بارگاہ الٰہی تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

کیا اسلام نے مالی مساوات قائم کی ہے

تیسری قسم کی مساوات خواجہ صاحب نے مالی مساوات بتائی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے یہ احتیاط کی ہے کہ غرباء کے ترقی کرنے کے راستہ بند نہ ہو جاویں۔ اور کوئی ایسی روک ان کی ترقی کے راستہ میں نہ آجاوے۔ جسکے سبب سے وہ آگے بڑھ ہی نہ سکیں۔ لیکن یہ استدلال کہ اسلام نے اموال کے جمع کرنے سے منع کیا ہے اور زائد مال کے تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے ایک ظلم عظیم ہے۔ اور اسلام کی تعلیم میں ایک

خطرناک تحریف ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے۔ جو اسلام میں تفرقہ اور شقاق ڈالنے کا سب سے پہلا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مفسدوں نے اسی خیال کو لوگوں میں پھیلانا شروع کیا تھا کہ صحابہؓ میں بڑے بڑے مالدار ہیں۔ اور دوسروں کے حقوق مار کر یہ لوگ مالدار ہوگئے ہیں۔ اور اس خیال کو تقویت دینے کیلئے ان لوگوں نے حضرت ابوذرؓ کو آکر بنایا تھا۔ حضرت ابوذرؓ ایک غریب مزاج آدمی تھے۔ اور زیادہ مال پاس رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر وہ دوسروں کو بھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ ان شریروں نے ان کو جا کر اکسایا۔ کہ دیکھو لوگ کس طرح مال و دولت جمع کرنے میں لگ گئے ہیں۔ اور اسقدر ان کو جوش دلایا۔ کہ وہ سارا دن سونا یکہ اسی جستجو میں پھرتے رہتے۔ جہاں کوئی صحابی مالدار ملا۔ اسکو پکڑ بیٹھتے کہ تمہارے پاس مال کیوں ہے۔ اور لوگوں کو انہوں نے اسقدر دق کیا آخر حضرت عثمانؓ کو حکماً انکو مدینہ بلوانا پڑا۔ اور آخر عمر تک وہ مدینہ کے پاس ایک گاؤں میں مقیم رہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ صحابہؓ کثرت سے سخاوت کیا کرتے تھے۔ لیکن اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ اس بات کا تعہد نہیں کیا کرتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ مال کتنا ہے تا اُسے اسی وقت غرباء میں تقسیم کردیں۔ یہ مسئلہ تو عبداللہ بن سبا یہودی کا ایجاد کردہ تھا اور سوائے حضرت ابوذرؓ کے جو اپنی فقیرانہ طبیعت کے سبب سے اسکے اصل مطلب کو نہ سمجھ کر اسکے دھوکے میں آ گئے اور کسی صحابی نے بھی اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ اسوقت انمیں بڑے بڑے صحابہؓ موجود تھے۔ جو حضرت ابوذرؓ سے زیادہ سابق اور زیادہ فقیہ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زیادہ مقرب تھے۔

زکوٰۃ مقرر کرنیکی وجہ باقی رہا یہ کہنا کہ اسلام نے زکوٰۃ کے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام مال کی تقسیم کا حکم دیتا ہے۔ ایک غلط استدلال ہے زکوٰۃ کے مسئلہ سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ غرباء کی مدد اسلام نے فرض مقرر کی ہے نہ یہ کہ مال کو تقسیم کرنا اسلام نے فرض مقرر کیا ہے۔ خود زکوٰۃ کی تعیین ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ مال کی تقسیم شریعت نے مقرر نہیں کی۔ کیونکہ زکوٰۃ تو مثلاً مال پر چالیسواں حصہ ہوتی ہے۔ اور زراعت پر عشر۔

اور نصف عشر ہوتی ہے۔ لیکن آمد اس نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو یہ تقسیم مساوات رکھنے والی کہاں ہوئی۔ پھر زکوٰۃ آگے کئی آدمیوں میں تقسیم ہوگی۔ کچھ عملۂ زکوٰۃ پر خرچ ہو جاویگی۔ پس زکوٰۃ کے مسئلہ سے مال میں مساوات رکھنے کا مسئلہ ثابت کرنا ایک سخت تعدی ہے ؀

عفو کے کیا معنی ہیں خواجہ صاحب نے اپنے اس دعویٰ کی تصدیق میں کچھ آیات بھی لکھی ہیں۔ اور جس طرح تمام مضمون میں انہوں نے صرف آیات کے درج کرنے سے غرض رکھی ہے یہ نہیں دیکھا کہ وہ آیات وہاں چسپاں بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے کئی آیات اس مضمون کی درج کی ہیں۔ کہ جو کچھ تم کو خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسمیں سے خرچ کرو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے غرباء کو بھی حصّہ دینا یہ اور بات ہے۔ اور اپنے اخراجات نکالکر غرباء کو باقی مال تقسیم کر دینا اور ہی بات ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کئی آیات اس امر کے متعلق نقل کر دی ہیں کہ جنگوں میں حاصل شدہ مال کس طرح تقسیم کرنے چاہئیں۔ حالانکہ ان اموال کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صرف ایک آیت ہے جس سے کچھ استدلال ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو۔ عفو کے کئی معنی ہیں جنمیں سے ایک معنی زیادہ کے بھی ہیں۔ ان معنوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے کہ جو بچ جائے اسے خرچ کرو۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس میں جو مال بھی ضرورت سے زائد ہو۔ اسکے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ معنی روایت اور درایت دونو کے خلاف ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کے کئی معنی لکھے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسمیں جہاد میں اموال خرچ کرنے کا حکم ہے۔ صدقات مراد نہیں اس صورت میں اسکے یہ معنی ہونگے کہ جب جہاد در پیش ہو۔ تو اپنی ضروریات سے زائد مال تمام کا تمام جہاد کے لئے دیدو۔ اور ان معنوں سے مساوات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مال غرباء میں تقسیم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ دشمن کے مقابلہ میں خرچ ہوگا۔ دوسرے معنی اسکے یہ کئے جاتے ہیں کہ یہ جہاد کا ذکر نہیں۔ بلکہ صدقات کا ذکر ہے۔ جو لوگ صدقات کا ذکر بتاتے ہیں۔ وہ بھی

اس آیت کے کئی معنی کرتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ عفو کے معنی ضرورت سے زائد بچے ہوئے مال کے ہیں۔ شروع اسلام میں سال بھر کے نفقہ سے جو بچ رہے۔ اسکے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا مگر آیت زکوٰۃ کے نازل ہونے پر یہ حکم موقوف ہوگیا۔ ان لوگوں کے نزدیک گویا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ نہیں یہ زکوٰۃ کے متعلق حکم ہے اور مجملاً بیان ہوا ہے۔ اسکی تفصیل دوسری جگہوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک اور جماعت عفو کے معنی اس مال کے کرتی ہے جس کا خرچ کرنا بوجھ نہ معلوم ہو۔ اور جسکے خرچ کرنے سے جائداد تباہ نہ ہو جائے۔ بعضوں نے کہا کہ اسکے معنی درمیانی خرچ کے ہیں یعنی نہ بالکل کم خرچ کرو نہ حد سے زیادہ خرچ کرو۔ اور بعضوں نے کہا کہ عفو کے معنی بہتر اور پاک مال کے ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اچھے اور پاک مال میں سے خرچ کرو۔ یہ نہ خیال کرو کہ پرانی اشیاء یا دوسروں کے مال اٹھا کر دیدو تو تم صدقہ کے حکم کے بجالانیوالے ہو جاؤ گے۔ بعضوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ صدقہ اور خیرات خوب دل کھولکر کرو۔

ضرورت سے زائد مال تقسیم کر دینے کا اسلام نے حکم نہیں دیا

ان تمام معانی سے جو مفسرین نے کیئے ہیں۔ آپ کے معنوں کی تصدیق نہیں ہوتی۔ جس جماعت نے اس آیت کے یہ معنی کیئے بھی ہیں کہ جو ضرورت سے زائد بچے لسے خرچ کردو۔ اس نے بھی یا تو اسے جہاد پر چسپاں کیا ہے یا منسوخ قرار دیا ہے۔ اور وہ اسبات پر مجبور بھی تھے کیونکہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل کو اور امت اسلامیہ کے طریق کو اسکے خلاف دیکھتے تھے۔ احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی بات کی تائید فرماتی ہیں کہ اپنے اخراجات نکالکر باقی مال تقسیم کر دینا اسلامی حکم نہیں ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یجئی احدکم بماله کله یتصدق به ویقعد یتکفف الناس انما الصدقة علیٰ ظهر غنیً۔ تم میں سے بعض اپنا سارا مال صدقہ کیلئے لے آتے ہیں اور پھر لوگوں کے آگے سوال کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ صدقہ زائد مال سے ہوتا ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں۔ لأن تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس یعنی اگر تو اپنے ورثاء کو دولتمند چھوڑ جائے تو یہ اچھا ہے بہ نسبت اسکے کہ تو انکو غریب چھوڑ جائے۔ کہ لوگوں کے آگے سوال کیلئے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اسی طرح حدیث صحیح میں آتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص

نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دو ثلث مال کے تقسیم کر دینے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ نے اس سے منع فرمایا۔ پھر انہوں نے آدھا مال تقسیم کر دینا چاہا۔ تو اس سے بھی منع فرمایا۔ پھر انہوں نے تیسرے حصہ کے تقسیم کر دینے کی اجازت چاہی تو اس حصہ کی آپنے اجازت دیدی مگر ساتھ ہی فرمایا الثلث والثلث کثیر یعنی تیسرے حصہ کی وصیّت کر دو۔ گو ثلث بھی بہت ہے ؀

غرض یہ خیال کہ اسلام کا یہ حکم ہے کہ جو مال ضرورت سے زائد بچے۔ اُسے تقسیم کر دینا چاہیئے بالکل خلاف اسلام اور خلاف عمل صحابہؓ ہے کہ جن میں سے بعض کی وفات پر لاکھوں کروڑوں روپیہ انکے ورثاء میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور اگر یہی حکم تھا تو پھر زکوٰۃ کا حکم دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب سب مال جو ضرورت سے زائد ہو۔ تقسیم کر دینے کا حکم ہے تو پھر زکوٰۃ کے مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی ؀

ضرورت سے زائد مال کی اصطلاح مبہم ہے

اور ضرورت سے بچے ہوئے کی اصطلاح خود مبہم ہے۔ بعض لوگ جو کچھ انکو مل جائے گو لاکھوں روپیہ کیوں نہ ہو۔ اسکو خرچ کر دیتے ہیں اور ضرورت سے زائد انکے نقطۂ خیال میں کوئی مال ہوتا ہی نہیں۔ بعض لوگ اپنا سب مال تجارت وغیرہ میں لگائے رکھتے ہیں۔ انکے پاس بھی ضرورت سے زیادہ نہیں بچ سکتا عقلاً بھی یہ خیال بالکل باطل ہے۔ کیونکہ جب تک ایک جماعت ایسے لوگوں کی نہ ہو جو مالدار ہوں عام ملکی بہبودی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور غرباء کو بھی نقصان پہنچتا ہے ؀

اسمیں کوئی شک نہیں کہ بعض رُوحانی لوگ اپنے اموال کو حتی الوسع غرباء کی خدمت میں خرچ کرتے ہیں اور اسے اسلام نے منع نہیں کیا بلکہ پسند کیا ہے۔ مگر یہ بات غلط ہے کہ اسلام نے اس امر کا حکم دیا ہے کہ دنیا میں مالی مساوات قائم کی جاوے۔ اور ضرورت سے زیادہ مال لوگ ضرور ہی خرچ کر دیں اگر یہ اصل تسلیم کیا جائے۔ تو یا اصل بھی مقرر کرنا پڑیگا کہ ضرورت سے مراد عام حالت ملکی کے مطابق اخراجات ہونگے۔ ورنہ اگر اس بات کی اجازت دیدی جائے کہ ہر شخص اپنی ضرورت کا خود فیصلہ کرے تو پھر بھی مساوات نہیں رہیگی کوئی شخص اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کے لئے

روپیہ رکھ کر باقی اگر بچیگا تو غرباء میں بانٹ دیگا اور غریب بیچارے گاڑھا پہننے اور جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور ہونگے۔ اصل بات یہ ہیکہ اسلام کے احکام کے مطابق یہ فرض ہے ہر مسلمان حکومت کا کہ اس کے ملک کا باشندہ فاقہ نہ رہے اور ان کے قابل ستر مقامات کیلئے کپڑا مہیا کیا جائے۔ گویا انسانی زندگی کی حفاظت پوری طرح ہو۔ اس کے لئے وہ امراء سے مطابق حکم شریعت مال لیکر غرباء پر خرچ کرتی ہے اس سے زیادہ جو کچھ خرچ کیا جائے وہ امراء کی اپنی مرضی پر ہے۔ اگر نہ کریں تو جرم نہیں۔ ہاں اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی ایک شخص فاقہ پر مرتا ہوا کسی کو نظر آئے تو اس کا فرض ہے کہ اس کی جان بچانے کی کوشش کرے +

اس دعویٰ کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جو میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کیا ہے تو آپ نے اسے اسلام کے اصولی احکام بتائے اور ان میں زکوٰۃ کا مسئلہ بھی بیان کیا۔ سب کچھ سُنکر اس شخص نے کہا کہ میں اس سے نہ زیادہ کرونگا نہ کم۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس قول کو پورا کر دیا تو یہ کامیاب ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غرباء کی مدد کے لئے زکوٰۃ سے زیادہ دینا فرض نہیں اگر کوئی زیادہ دے تو یہ اسکی مرضی پر منحصر ہے +

غنیمت اور فے کے مال کی تقسیم میں مساوات کہاں ہے

خواجہ صاحب نے تقسیم اموال میں مساوات ثابت کرنے کیلئے غنیمت اور فے اور نفل کے متعلق چند آیات بھی لکھی ہیں لیکن نہ معلوم ان سے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ غنیمت کے متعلق انہوں نے یہ آیت لکھی ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل۔ یعنی یاد رکھو کہ جو مال تم کو جنگ میں ملیں۔ ان میں سے پانچواں حصہ خدا اور اسکے رسول اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اس آیت سے اگر کوئی حکم نکلتا تھا تو صرف یہ کہ اسلام نے ہر ایک موقعہ پر غرباء کی مدد کو مدنظر رکھا ہے۔ اور حکماً ان کیلئے ایک حصہ اموال کا علیحدہ کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ مال کی تقسیم میں مساوات رکھی ہے +

اسی طرح ایک آیت نفل کے متعلق لکھی ہے کہ قل الانفال للہ وللرسول۔

کہ انفال اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہیں۔ اس سے نہ معلوم انہوں نے تقسیم اموال میں مساوات کا مسئلہ کہاں سے نکال لیا ہے۔ کیونکہ اسمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ انفال خدا اور اسکے رسول کے ہیں نہ یہ کہ انفال تمام بنی نوع انسان میں برابر تقسیم ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں تو لوگوں کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ انفال کیونکر تقسیم ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو جواب دیا ہے کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا کام ہے کہ جنگ میں آنیوالے اموال کو تقسیم کریں تم حکومت کے معاملات میں دخل کیوں دیتے ہو۔ اپنی اصلاح کی فکر کرو اور ان باتوں میں نہ پڑو ؛

ایک آیت خواجہ صاحب نے فے کے متعلق لکھی ہے۔ اس سے بھی میں نہیں سمجھا کہ مساوات کیونکر نکلتی ہے آیت اسطرح ہے۔ ما افاء اللہ علےٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم یعنی جو مال دشمن کا بغیر جنگ کے قبضہ میں آئے وہ اللہ اور اسکے رسول اور قریبیوں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کا حق ہے۔ اس آیت میں مساوات کا کہاں ذکر ہے۔ اس سے تو صرف یہ نکلتا ہے کہ جس مال کیلئے جنگ کرنی پڑی خود بخود دشمن سونپ دے یا اور کسی طرح بلا لڑے قبضہ میں آجائے وہ بطور حق کے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اشاعت اسلام اور امام اسلام اور اسکے قریبیوں اور غریبوں یتیموں اور مسافروں کے لئے حکومت ہی کے پاس رہیگا۔ اسمیں لوگوں کے اموال کا کیا ذکر ہے۔ زید اور بکر کے مال کا تو یہاں ذکر ہی نہیں اسمیں تو حکومت کے اموال کی تقسیم کا ذکر ہے اور کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم سے بتایا ہے کہ امراء کو یہ مال نہ دینا چاہئیے کیونکہ یہ مال حکومت کا ہے۔ اور بوجہ خود مالدار ہونیکے انکا حق نہیں ہے کہ اس مال میں سے لیویں نہ اسجگہ مساوات کا ذکر ہے نہ عدم مساوات کا۔ بلکہ ایکطرح تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم مساوات ہو گئی کیونکہ ایک حصہ آبادی کو اس مال کے پانے سے روکدیا گیا ہے ؛

جہاد کا بے تعلق ذکر اور حضرت مسیح موعودؑ پر حملہ

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں بلا کسی ظاہری تعلق کے جہاد کا بھی ذکر کر دیا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ پر حملہ کیا ہے کہ آپ جہاد کے مخالف تھے۔ لیکن علاوہ اسکے کہ یہ بات بالکل بے تعلق ہے۔ غلط بھی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی نہیں تحریر فرمایا کہ باوجود جہاد کا موقعہ ہونیکے جہاد جائز نہیں بلکہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ

یہ تو جہاد کا نہیں کیونکہ جہاد کی شرائط اسوقت نہیں پائی جاتیں۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اس مضمون کا جہاد کے ساتھ تعلق کیا ہے۔ خواجہ صاحب کے تمام مضمون کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریشان خیالات کا ایک طوفان اٹھا ہے جو انہوں نے کاغذ کی نذر کر دیا ہے۔ اور باتیں ہیں تو ان کا اصل مضمون سے کچھ تعلق نہیں باتیں ہیں تو وہ مقصد سے دور۔ انکو تو خیر کسی وجہ سے جوش آگیا ہوگا۔ مجھے ایڈیٹر صاحب وکیل پر تعجب ہے کہ باوجود ایک فہمیدہ اور تجربہ کار آدمی ہونیکے بلا نظر ثانی کرنیکے انہوں نے یہ مضمون شائع کس طرح کر دیا جس حصہ مضمون کو دیکھو وہی سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کی مثال ہے؛

خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی میں مضمون ختم کرنے سے پہلے یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں مناسب ادب سے بھی کام نہیں لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بلا وجہ تو وہ لائے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت بھی انہوں نے ایک جگہ ایسا لفظ استعمال کیا ہے جو سخت ہتک آمیز ہے۔ لکھتے ہیں کہ مطلق العنان حکومت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خاص ہے مطلق العنان کے معنی ہوتے ہیں جسکی باگ چھوڑ دی جائے۔ اس قسم کا ذلت پر دلالت کرنیوالا لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کرنا ایک مومن کی شان سے بعید ہے۔ بیشک استعارہ اور مجاز کلام میں ہوتا ہے لیکن وہ لفظ جو انسانوں کے لئے بھی درحقیقت ہتک کا موجب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کیلئے استعمال کرنا سخت تعجب انگیز ہے اگر خواجہ صاحب کی نسبت کوئی شخص مطلق العنان کا لفظ استعمال کرے تو وہ ضرور اسکو برا منائینگے۔ پھر نہ معلوم خدا تعالیٰ کے لئے یہ لفظ انہوں نے کیوں استعمال کیا۔ مجازاً ہی کوئی لفظ استعمال کرنا تھا تو ایسا لفظ استعمال کرتے جو ظلم اور خود سری پر دلالت نہ کرتا؛

خواجہ صاحب کو نصیحت آخر میں میں پھر خواجہ صاحب کو نصیحت کرتا ہوں کہ کسی کا مضمون بغور پڑھنے سے پہلے اسکا جواب لکھنے نہ بیٹھ جایا کریں اور قرآن پر زیادہ تدبّر کی عادت ڈالیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ نہ کرنا بھی عیب ہے۔ میرے خط میں حریت و مساوات کی تمام اقسام کا انکار نہیں کیا گیا بلکہ سائل سے انکی تعریف پوچھی گئی ہے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اسلام نے کس حد تک اور کن معنوں میں حریت و مساوات کی تعلیم دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکے احکام کے مطابق اسلامی حریت کے اس حصہ کو جس کا قیام میری ذات سے متعلق ہے قائم کرنیکی کوشش کرتا رہتا ہوں مگر سائل جوش اور

تعصب کو دیکھ کر میں نے چاہا تھا۔ کہ اس حریت و مساوات کی جو غلط تعریف انکے ذہن میں رکھی ہوئی ہے۔ اسکی تفصیل پہلے اسی کی قلم سے کروالوں۔ پھر اسکو جواب دوں۔ آپنے نہ اسکے جواب کا انتظار کیا نہ خود اسکے قائم مقام بنکر ان الفاظ کی تفسیر اپنے خیالات کے مطابق کی بلکہ ایک وہمی بات کا جواب دینے بیٹھ گئے عقلمند انسان کا کام نہیں ہوتا کہ مبہم الفاظ کا جواب دے جب تک آپ حریت و مساوات کی تعریف سائل نہ کرلیتا میرا حق نہ تھا کہ میں اسکے سوالات کا تفصیلی جواب دیتا اور نہ میرا فرض تھا کہ حریت و مساوات کی پہلے خود تشریح کرتا اور پھر اسے بتاتا کہ ان ان معنوں میں فلاں فلاں محل پر حریت و مساوات کا قائم کرنا اسلامی احکام کے مطابق ہے اور فلاں فلاں معنوں میں فلاں فلاں محل پر حریت و مساوات کا قائم کرنا دین یا عقل یا قواعد تمدن کے خلاف ہے اور یہ طوالت ایک خط برداشت نہیں کر سکتا تھا پس میں نے وہ طریق اختیار کیا جو اس موقعہ پر بہترین ہو سکتا تھا کہ خود سائل سے ہی دریافت کر لیا کہ وہ حریت و مساوات کے کن معنوں اور اسکے کس محل پر استعمال کے متعلق مجھ سے دریافت کرتا ہے جس جگہ بحث کا رنگ پیدا ہو یا بحث کا خطرہ ہو اس جگہ مبہم سوال کا جواب زیر بحث مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا کرتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے دریافت کرے کہ کیا کسی سے جبراً کوئی حکم منوانا بھی جائز ہے اور وہ آگے سے جواب دیدے کہ نہیں تو اگلا آدمی اگر تو تعصب سے علیحدہ ہے اور جوش میں بھرا ہوا نہیں تو وہ اسکا مطلب سمجھ جائیگا لیکن اگر سائل غصہ کی حالت میں ہے اور دوسرے پر الزام قائم کرنیکی فکر میں ہے تو وہ آگے سے کہہ اٹھیگا کیا بچوں سے جبراً بات منوائی نہیں جاتی کیا حکومت بعض باتیں جبراً نہیں منواتی۔ کیا پاگلوں سے جبراً بات نہیں منوائی جاتی۔ اور خواہ مخواہ بات کو لمبا کر دیگا۔ چونکہ جن صاحب کے خط کا میں نے جواب لکھا ہے انکی طرز تحریر سے بھی یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ محض الزام دہی کی فکر میں ہیں۔ اسلئے انسے اسی قسم کا برتاؤ کیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ اور پہلے انسے ان الفاظ کے معنی اور انکے استعمال کا محل دریافت کیا گیا تاکہ انکو جواب سے ہی انکی کمزوری ان پر ثابت کر دیجائے ؛

آخر میں میں خواجہ صاحب کو یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بلا وسیع غور کے اسلامی احکام پر نظر ڈالنے کے اسرار شریعت بیان کرنیکی کوشش نہ کیا کریں اسرار شریعت بیان کرنا انکا کام ہے جنکی نظر وسیع ہو۔ اب یہی وراثت میں مساوات کی حکمت جو انہوں نے بیان کی ہے اگر غیر مسلم لوگوں میں وہ اسکو بیان کر بیٹھتے تو کسقدر سبکی اور شرمندگی کی بات ہوتی اگر خود پوری طرح کسی مسئلہ کا علم نہ ہو تو واقف کاروں سے دریافت کر لینا چاہیئے۔ اسمیں ہتک کی کوئی بات نہیں۔ عالم سے علم حاصل کرنے میں ہرگز کسی قسم کی ہتک نہیں ہوتی۔ و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ؛ خاکسار میرزا محمود احمد۔

اعلان :- خریداران ریویو اُردو و انگریزی کیخدمت میں بقایا گزشتہ اور چندہ پیشگی بابت سال ۱۹۲۱ء کے متعلق بذریعہ کارڈ اطلاع دیجا چکی ہے۔ مگر مزید احتیاط کیلئے مکرر بذریعہ اعلان ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ فروری ۱۹۲۱ء کا پرچہ وی پی کیا جاویگا۔ سوائے ان خریداروں کے جنہوں نے بذریعہ منی آرڈر چندہ بھیجنے کی اطلاع دفتر ریویو میں دیدی ہے۔ یا کسی خاص ماہ میں وی پی بھیجنے کا آرڈر دیا ہوا ہے۔ امید ہے کہ احباب کرام وی پی وصول فرماکر مشکور فرماوینگے ؛ المعلن مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان

مجرّب نسخے

مقوی بے نظیر :- یہ وہ ہر دل عزیز نسخہ ہے جس کو صدہا مریضوں پر نہایت کامیابی کے ساتھ برتا گیا ہے دل کمزور ہو یا کثرت مطالعہ یا دیگر اقسام کی کثرت محنت کے سبب دماغ کمزور ہو گیا ہو۔ اعضاء میں کسی قسم کا ضعف آگیا ہو۔ اعصاب میں کسی قسم کی سستی یا کمزوری ہو گئی ہو۔ بار بار پیشاب آتا ہو۔ بدن میں سستی اور تھکان رہتی ہو۔ ہاضمہ میں کمزوری ہو گئی ہو۔ اس قسم کی تمام مرضوں کے واسطے یہ گولیاں اکسیر اور سریع التاثیر ہیں ہزارہا دفعہ کی تجربہ شدہ عمدہ خوشنما گولیاں طیار کی گئی ہیں جن کے نگلنے میں بھی دقت نہ ہو باوجود ان سب خوبیوں کے قیمت ایک ڈبیہ ۲۴ گولیاں صرف دو روپے علاوہ محصولڈاک رکھی گئی ہے؛

قبض کشا گولیاں :- یہ گولیاں دائمی قبض کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں رات کو ایک گولی کھانے سے صبح کھل کر اجابت ہو جاتی ہے اسکے علاوہ نفخ درد و گرانی شکم وغیرہ بھی بفضلہ دور ہو جاتے ہیں قیمت فی ڈبیہ صرف ایک روپیہ ؛

حبّ بواسیر خونی :- بواسیر خونی ہو یا بادی یہ گولیاں ہر دو اقسام میں مفید ثابت ہوئی ہیں خون کو بند کرتی ہیں اور مسوں کو خشک کرتی ہیں بارہا تجربہ کیا گیا اور مفید پایا قیمت فی ڈبیہ عہ/

سفوف عجیب :- اس سفوف کے استعمال سے جریان کی تمام شکایتیں بالکل دور ہو جاتی ہیں قیمت صرف عہ/

حبّ طحال :- تلی خواہ کیسی ہی بڑھ گئی ہو ان گولیوں کے استعمال سے انشاءاللہ بالکل آرام ہو جائیگا فی ڈبیہ عہ/

ککروں کی دوائی :- ککرے نئے ہوں یا پرانے اس دوائی کے استعمال سے نیست و نابود ہو جاتے ہیں آنکھوں میں خارش۔ دھند۔ سرخی غرض جملہ امراض چشم کیلئے یہ دوائی مفید ثابت ہوئی ہے قیمت فی شیشی عہ/

نسوار عجیب :- یہ نسوار ہر قسم کے درد سر نزلہ زکام وغیرہ کیلئے نہایت مفید ہے قیمت فی ڈبیہ ۱۲/

منجن مبارک :- دانتوں کو صاف اور مضبوط کرتا ہے مسوڑوں کے خون کو بند کرتا ہے درد اور ورم کو دور کرتا ہے فی ڈبیہ ۱۲/

نوٹ :- اور کسی دوائی کی ضرورت ہو تو مفصل حال لکھیئے ہم انشاءاللہ نور احضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے مجربات خاصہ سے عمدہ نسخے طیار کرکے واجبی قیمت پر وی پی کر دینگے ؛

ہر قسم کی ادویات ملنے کا پتہ :- **مینیجر دواخانہ قریشی قادیان ضلع گورداسپور پنجاب**

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی ۱۹۲۱ء کی کافوری جنتری نہایت خوبصورت اعلیٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپی ہے۔ اور بلا قیمت و محصول ڈاک قدر دانوں کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجئے جنتری بذریعہ ڈاک آپ کی خدمت میں روانہ کر دی جائیگی

نمبر ۱

تفصیل ادویات مع قیمت

نام دوا	قیمت	نام دوا	قیمت
عرق کافور	۶ر	کونین کی ٹکیہ	۱۴ر
دمہ کی دوا	عہ ۸ر	دردسر کی دوا	۱۲ر
بخار کی دوا (کلاں)	عہ ر	جلاب کی گولیاں	۹ر
بخار کی دوا (خورد)	۱۰ر	طاعون کی گولیاں (بڑی ڈبیہ)	عہ ۲ر
پرانا سوزاک	عا ر	طاعون کی گولیاں (چھوٹی ڈبیہ)	۱۲ر
گرمی آتشک	عا ر	سالسہ	عا
کورلا ٹانک	عہ ۸ر	سپینی لائن	عہ ۸ر
گھینگھہ کے کھانے کی دوا	عہ ر	عرق پودینہ	۱۲ر
گھینگھہ کے لگانے کی دوا	۶ر	کلوروڈائن ۸ر (درجن ۴عہ)	۸ر
گھینگھہ کا مرہم	۱۰ر	لال شربت	عہ ر
پین ہیلر	عہ ۸ر	خارشت کھجلی کی دوا	۱۲ر
کھانسی کی دوا بڑی	عہ ۸ر	امراض مستورات کی دوا	عہ ۸ر
کھانسی کی دوا چھوٹی	۱۰ر	امراض دندان	۸ر
کان بہنے کی دوا	۶ر	پیپرمنٹ کاست	۱۲ر
داد کا مرہم	۶ر	روغن پیپرمنٹ	عہ ۲ر
زخم کا مرہم	۸ر	روغن بینڈقی	۱۲ر
زخم دھونے کی ٹکیا	۲ر	روغن صندل	۱۴ر
مقوی باہ کی گولیاں	عہ ۸ر	روغن اجوائن	۸ر
پرانے ملیریا بخار کی گولیاں	۱۰ر	روغن سونٹھ یا ادرک	۱۱ر
بدہضمی و بدہضمی کے دست	عہ ۸ر	روغن سونف	۶ر
نمونہ کا بکس	عا ر	روغن دار چینی	۱۲ر
		روغن لونگ	۸ر
		روغن لیمو	۶ر
		روغن الائچی	۱۲ر
		لیمونڈ	۱۴ر
		تھرمامیٹر انگریزی ۔۔ اردو ۔۔	

المشتہر۔ ڈاکٹر ایس۔ کے برمن پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

(منیجر ... قادیان ... باہتمام شیخ محمد یعقوب ... پرنٹر و پبلشر ... انجمن احمدیہ کے لیے شائع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء نمبر (۱)

مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۹ھ

فہرست مضامین

ہمارا آقا صلے اللہ علیہ وسلم
یعنی سیرت خاتم النّبیین صلے اللہ علیہ وسلم حصّہ اوّل
(مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد ایم۔اے)
تیار ہو گیا ہے۔ جلد منگائیے
جو مضمون ہمارا آقا صلعم کے عنوان سے ریویو آف ریلیجنز
قادیان میں شائع ہوتا رہا ہے اس کا پہلا حصّہ جو آنحضرت صلعم
کی مکی زندگی تک کے واقعات پر مشتمل ہے سیرت خاتم النّبیین صلعم حصّہ اوّل کے
نام سے بعد نظر ثانی و مناسب تغیّر و تبدّل کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے،
کتاب کا حجم ڈھائی سو صفحہ سے کچھ اوپر ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی بہت عمدہ
ہیں۔ آخر میں عرب کا نقشہ بھی لگایا گیا ہے۔ قیمت درجہ اوّل فی نسخہ
تین ۳ روپے درجہ دوم فی نسخہ دو ۲ روپے چار آنہ ہر خواندہ اور مستطیع
مسلم نوجوان کے پاس اس کتاب کا نسخہ ہونا چاہئیے ۔ منگانے کا پتہ
دفتر مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان پنجاب

حریّت و مساوات کا مسئلہ یعنی یہ مسئلہ کہ کیا بنی نوع انسان کی تمام اقوام اور تمام افراد ایک مقام اور ایک رُتبہ و درجہ کے ہیں یا مختلف یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی اہمیّت کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس مسئلہ نے عام و خاص میں ایک خاص وزن اور اہمیّت حاصل کر لی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس مسئلہ کو بہت ہی کم لوگوں نے سمجھا ہے اور مسلمان بھی جنکے لئے شریعت اسلامی اور اسوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالی ہے آجکل اس کے متعلق نہایت غلط خیالات قائم کر رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو عام طور پر لوگوں نے حُریّت و مساوات کے معنی سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے اور دوسرے مختلف حالات و کوائف کے ماتحت جو مختلف کیفیات یہ مسئلہ اختیار کرتا ہے اور مختلف احکام کے ماتحت اگر کئی شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے اس کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تیسرے غلطی کی یہ بھی وجہ ہوئی۔ کہ اس مسئلہ میں بعض باتیں ایسی ہیں جو کان کو سننے میں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور

بادی النظر میں دل ان کی طرف پسندیدگی کا میلان محسوس کرتا ہے جسکی وجہ سے کوتہ بین انسان ٹھوکر کھا جاتا ہے مگر جب غور و تدبّر کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جاوے اور تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں ان کو دیکھا جاوے تو پھر ان کی اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ بہرحال اس مسئلہ کے متعلق جو اسلامی تعلیم ہے اسکے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کے دو مضمون درج ذیل کیئے جاتے ہیں۔ پہلا مضمون ایک خط کی صورت میں ہے جو اس خط کے جواب میں ہے جو کہ مری سے کسی گریجوایٹ نے لکھا تھا اور اس میں اٹھارہ سوال کیئے تھے۔ اور دوسرا خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔اے کے مضمون کے جواب میں ہے جو انہوں نے اس جواب کے شائع ہونے پر اخبار وکیل امرتسر میں شائع کرایا تھا ؛

یہ خط اور مضمون ہر دو اخبار الفضل میں شائع ہو چکے ہیں لیکن اوّل تو اس خیال سے کہ ممکن ہے ہمارے ناظرین میں سے بعض تک یہ اخبار نہ پہنچتا ہو یا بعض نے یہ مضامین نہ پڑھے ہوں اور دوسرے اس خیال سے کہ چونکہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے اسے خاص طور پر محفوظ کرنا چاہیئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اپنے رسالہ میں بھی اس کو شائع کیا جاوے کیونکہ کسی روزانہ یا ہفتہ وار اخبار میں کسی مضمون کا نکل جانا اور معنی رکھتا ہے اور کسی ماہوار علمی رسالہ میں اسکا شائع ہونا اور رنگ رکھتا ہے۔ کسی علمی رسالہ میں کسی مضمون کا آجانا اسے آیندہ آنے والوں کے واسطے زیادہ محفوظ اور زیادہ سہل الوصول کر دیتا ہے کیونکہ رسالجات کے گذشتہ فائلوں کے مطالعہ کا عام رواج ہے اور انکو عام طور پر بہت محفوظ رکھا جاتا ہے بمقابلہ اخبارات کے گذشتہ فائلوں کے۔ جن کے مطالعہ کا رواج ایسا عام نہیں اور نہ ہی انکو عام طور پر زیادہ احتیاط سے محفوظ رکھا جاتا ہے ؛

ایڈیٹر